

Checked
1987



مَقَالَاتِ سَبَلِ

سَلْسِلَةُ دَلِيلِ الْمُصْتَفِيْنَ

(۵۷)

RARE BOOK
NOT TO BE LOANED

مَقَالَاتِ سَبَلِ

CHECKED 1995

جلد ششم
CHECKED

مَوْلَانَا سَبَلِ نَعْمَانِ حُرِّ اَسَدِ عَلِي



قومی اور اخباری مضامین کا مجموعہ جو الذودہ، مل گزٹ اور دوسرے رسائل
اخبارات سے یکجا کئے گئے

باجا ہمارے مولوی مسعود علی صاحب دہلوی

کتابتِ معارف و احادیث
کتابتِ معارف و احادیث

۱۹۳۵

۱۹۵۷

فہرست مقالاتِ تبلی جہدِ تم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۷	ایک اور آفتابِ علم غروب ہو گیا،	۸-۱	دیباچہ مذہبی
۳۹	ابن رشد،	۱	صیغہ اشاعتِ اسلام،
۴۱	المامون،	۳	نومسلم راجپوت اور حفاظتِ اسلام،
۴۵	اشاعتِ کتبِ قدیمہ،	۷	حفاظت و اشاعتِ اسلام،
۴۸	انگریزی قرآن مجید کا ترجمہ اور ندوۃ العلماء،	۱۳	نومسلموں کو دوبارہ ہندو ہو جانے سے بچانے کیلئے تمام برادرانِ اسلام کی خدمت میں فریاد،
۵۳	مجلسِ علمِ کلام،	۱۶	کارروائی انجن وقت علی الاولاد،
۵۶	ایک اہم تجویز،	۲۲	وقتِ اولاد کی کارروائی کہاں تک پہنچی،
۵۸	"اثبات واجب الوجود"،	۲۶	اوقاتِ اسلامی،
۶۰	ندوۃ العلماء کا گیارہواں سالانہ اجلاس اور علی نمائش،	۲۸	وقتِ اولاد،
	تعلیمی	۲۹	موریل متعلق نماز جمعہ،
۶۶	ندوۃ العلماء کیا کر رہا ہے،		علمی و تاریخی
۷۷	ندوہ کی نئی زندگی کا آغاز،	۳۲	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مفصل دستند سوانح عمری مرتب کرنے کی تجویز،
۸۰	خاتونانِ قوم کی عزت اور یادگار،		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۲۸	اسٹراٹیک کا سبب کون تھا،	۸۳	زندہ زبیدہ خاتون،
۱۳۳	اصلاحِ ندوہ اور ہمدرد،	۸۶	دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سنگ بنیا و کا
۱۳۶	حبیبہ دہلی کے متعلق ایک عام غلط فہمی کی تردید،	۸۸	جلسہ اور حبیبہ سالانہ ندوۃ العلماء،
۱۴۰	دارالعلوم ندوہ کی ایک اور خصوصیت	۹۱	ایک مذہبی مدرسہ اعظم کی عمارت کے لئے تمام ہندوستان کے مسلمانوں سے درخواست
۱۴۳	علی گڑھ،	۹۴	جلسہ دستار بندی ندوۃ العلماء،
۱۴۸	سیاسی مسلمانوں کی پولیٹیکل کروٹ،	۹۶	ہنر آئینس سرانجامِ ندوۃ العلماء میں،
۱۸۲	لیڈروں کا قصور ہی الیڈر بنانے والوں کا،	۱۰۱	دارالاقامہ کے کمروں کی تیاری،
۱۸۵	مسئلہ آرمینیا،	۱۰۴	مصر کی یونیورسٹی،
۱۹۰	متفرق اضلاع سرحدی کا دورہ،	۱۰۶	بھوپال میں ندوۃ العلماء کا وفد،
۱۹۷	حضور نظام کی چالیسویں سالگرہ،	۱۱۰	ندوۃ العلماء کا نیا دور،
۲۰۱	مولانا حالی کی ذرہ نوازی،	۱۱۳	البشیر اور ندوۃ العلماء
۲۰۲	ہائے نواب محسن الملک مرحوم،	۱۱۹	مولوی عبدلکریم صاحب کی معطلی
		۱۲۱	مولانا عبدالباری کی شہادت،



تجارت و تیرا
مختلف پر
اسلامی اتحاد

سیرۃ نبوی
سے کچھ کو
نہیں ہوا

اش
کی تعلیم کی
اٹھا تھا اور

کا بھی ہے
ندوہ میں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

دیباچہ

مولانا شبلی مرحوم کے مضامین کا یہ مجموعہ اُن کے متفرق اخباری مضامین، مختلف مفید تجاویز اور منصوبوں پر مشتمل ہے، اس مجموعہ پر سرسری نظر ڈالنے سے مصنف کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ایک ساتھ نظر پڑ جاتی ہے، اشاعتِ اسلام، وقفِ اولاد، اوقافِ اسلامی تعطیلِ نماز جمعہ، مجلسِ علمِ کلام، اشاعتِ کتبِ قدیمہ، ترجمہ انگریزی قرآن مجید، تالیفِ سیرۃ نبوی وغیرہ مختلف قومی اور مذہبی تجویزین انھوں نے قوم کے سامنے پیش کیں، ان میں سے کچھ کو اپنی کوششوں سے پورا کر دیا، کچھ ایسی تھیں جو مناسب فضا نہ ہونے سے بار آور نہیں ہوئیں،

اشاعتِ اسلام کا کام انھوں نے باقاعدہ شروع کر دیا تھا اور مجھے سیری قومی خدمت کی تعلیم کی غرض سے مددگار ناظم بنایا تھا، یاد ہو گا کہ ۱۹۰۰ء میں ارتداد کا جو عظیم نشان طوفان اٹھا تھا، اس کے مقابلہ کے لئے جو لوگ اٹھے تھے اُن میں ایک سربراہِ دورہ نام مولانا مرحوم کا بھی ہے، وہ شاہجہان پور وغیرہ خود دورہ کو نکلے، راجپوتانہ کے اطراف میں مہتمم آدمی تھے، ندوہ میں سنسکرت پڑھانے کا انتظام کیا، کئی طالب علموں کو اس درجہ میں داخل کر کے

صفحہ

۱۲۸

۱۳۳

۱۳۶

ط فہمی

۱۴۰

۱۴۳

۱۴۸

۱۸۲

لونا

۱۸۵

۱۹۰

۱۹۴

۱۵

۲۰۱

ی

۲۰۲

جوم

ان کو اس حد تک تیار کیا کہ اسی درجہ کے ایک مسلمان طالب علم نے شاید ۱۹۱۰ء کے
 ندوہ کے اجلاس دہلی میں جب ٹھیٹ ہندی میں تقریر کی تو حاضرین کو اس کے پیدائشی
 ہونے کا گمان ہو گیا اور وہ اس وقت دور ہو واجب لوگوں نے اس سے قرآن سنانے
 کی فرمائش کی، اتفاق دیکھئے کہ اس کے قرآن سنانے کا لحن بھی نہایت دلاویز تھا، اس وقت
 اس نے سورہ حٰجّٰت کی قرأت اس خوبی سے کی کہ سارا مجمع آئینہ حیرت تھا، دل سینوں
 میں تڑپ رہے تھے اور چاروں طرف سے تعریف و تحسین اور انعامات کی بارش ہو رہی تھی
 وقت اولاد کا مسئلہ جس میں سرسید ناکام رہ چکے تھے، مولانا کی کوششوں سے ایسا کامیاب
 ہوا کہ حکومت وقت کو اس کے آگے سر جھکنا پڑا، اور مسٹر محمد علی جینا کی تحریک سے اسمبلی نے
 اس کو قانون بنانا منظور کیا،

نماز جمعہ کی تعطیل کے مسئلہ کو اٹھایا اور اس حد تک اس کو گورنمنٹ سے منوالیا کہ
 جو مسلمان نماز جمعہ میں جانا چاہیں وہ ایک مقررہ وقت کے لئے جا سکتے ہیں، اسی سلسلہ میں
 مولانا کی ایک گفتگو یاد آئی، جن دنوں وہ اس تحریک کو چلا رہے تھے، فرمایا بھائی اگر
 تعطیل منظور ہو گئی اور مسلمان عام طور سے نماز پڑھنے نہ جائیں تو اسلام کی کیسی بدنامی ہوگی
 جہاں تک عام مسلمان ملازمین کا تعلق ہے، ان کا یہ خوف غلط نہ تھا،

ان کی سیرت نبوی کی تجویز ایسی سرسبز ہوئی کہ آج ہماری زبان اس مقدس لفظ پر
 کی فراوانی، بلندی اور افادیت پر سبجا فخر کر سکتی ہو،

عام اوقات اسلامی کام انھوں نے اخیر زندگی میں شروع کیا تھا اور ناتمام رہا تھا
 مگر اکثر صوبوں میں ان کی ناتمام کوششوں کی آواز باز گشت گونجی، اور سالہا سال کے
 بعد صوبوں کی حکومتوں نے اس کے متعلق اب کچھ نہ کچھ کیا ہے،

کے وہ

کیا

پر کرنا

عثمانی

تھا، نہ

کا نتیجہ

چندہ

اس و

ہے، جو

طریقہ

کہ وہ

بھی ہو

ندوہ کے

پہنچے، تو

میں، فر

ترکوں

مولانا علما سیاسی نہ تھے، مگر وہ اپنے خیالات میں نہایت سخت سیاسی تھے، اتحاد عالم اسلام کے وہ پہلے سفیر تھے، علماء اور رہنمایان قوم میں سب سے پہلے ان ہی نے اسلامی ممالک کا سفر کیا، اور سلطان ترکی سے اعزاز کا تمغہ پایا، جب وہ واپس آئے تو انگریزی حکومت نے ان پر کرڑی نگرانی رکھی کئی سال تک وہ جاسوسوں کے زنجیر میں رہے، اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ عثمانی خلافت اور اتحاد اسلامی (بین اسلامزم) کے جس سے اس زمانہ میں بہت کچھ ڈرا جاتا تھا، ہندوستان میں مبلغ ہیں، مسئلہ آرمینیا پر ان کا فیمون (جو ستشہ میں لکھا گیا) اسی اثر کا نتیجہ ہے،

ترکی بانی بلکہ علیگندہ جانے سے بھی پہلے دوم وروس کی لڑائی میں ترکوں کے لئے چندہ جمع کر کے بھیجا تھا، پھر طرابلس اور بلقان کی لڑائی کے زمانہ میں ان کا جو حال تھا اُسے اس وقت تک نامک جب تک کہ ان کی نظم "شہر آشوب اسلام" جس کی ردیف "کتبتک ہجو مجوز" ہے، بھلا یا نہیں جاسکتا، لکھنؤ کے جس جلسہ میں انہوں نے یہ نظم پڑھی تھی یہ کہنا چاہئے کہ وہ طرابلس و بلقان کی ہمدردی کا جلسہ نہ تھا، مجلس ماتم تھی اس زمانہ میں ان پر اتنا گرا اثر تھا کہ وہ ذرا اسی بات پر رو دیتے تھے، اور کبھی کبھی جب کوئی خوشی کی خبر آتی وہ بہت خوش بھی ہو جاتے تھے،

اس زمانہ کا ایک واقعہ یاد آیا، ایک رات کو کوئی دس بجے کے قریب مجھے اور ندوہ کے بعض اور طالب علموں کو یاد فرمایا، اس نادقت کی طلب سے ہم لوگ گھبرا گئے، پہنچے، تو دیکھا کہ سامنے مہر کے عربی اجازات پڑے ہوئے ہیں، اور مولانا بہت خوش ہیں، فرمایا کہ بھئی، ابھی مہر کے نئے اجازات پڑھ رہا تھا، یہ خبر پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کہ ترکوں نے طرابلس کو خود مختار بنایا، اور انور پے نے ترکوں کی قومی ملازمت سے استعفا

۱۹۱۰ء کے
س کے پیدائشی
قرآن سنانے
پر تھا، اس وقت
ل سینون
ریش ہو رہی تھی
سے ایسا کانیا
سے اسمبلی نے

سے منوالیا کہ
اسی سلسلہ میں
فرمایا بھائی اگر
یسی بدنامی ہوگی

مقدس لٹریچر

ورناتام رہا تھا
سالہا سال کے

دے کر طرابلس کی خود مختار حکومت کی سربراہی قبول کر لی، اکیلے خوشی مناتے نہیں بنتا تھا اس لئے تم لوگوں کو بلایا، اس کے بعد اسی وقت بازار سے مٹھائی منگوائی اور ہم لوگوں کو کھلائی،

مولانا کالج میں گو سرسید کے ساتھ رہتے تھے، مگر مذہبی اختلاف کے ساتھ ساتھ موضوع کو سرسید کے آخری سیاسی خیالات سے حد درجہ اختلاف تھا، اور اس کو وہ ہندوستانیوں اور مسلمانوں کے حق میں سخت مضر سمجھتے تھے، بلکہ علانیہ وہ کانگریس کی حمایت کرتے تھے اور اس وقت کی کانگریس کے خیالات سے پوری طرح متفق تھے، دونوں بزرگوں کا یہ سیاسی اختلاف بہت حد تک ان کے تعلقات کو کشید کرنے میں معین ثابت ہوا، مولانا فرماتے تھے کہ ایک دفعہ یونین مین جمہوریت اور شخصی بادشاہی کے عنوان پر طالب علموں کا مناظرہ مکالمہ تھا، سرسید، مولانا اور دوسرے استاد بھی شریک تھے مولانا نے جمہوریت کی تمہید میں زبردست تقریر فرمائی، جلسہ ختم ہو گیا، اور لوگ اپنے اپنے ٹھکانے پر گئے، صبح کو جب مولانا سرسید سے ملے تو سرسید نے کہا آپ نے مجھے رات بہت تکلیف پہنچائی رات مجھ کو اس وقت تک نیند نہیں آئی، جب تک کہ میں نے آپ کی تقریر کے جواب میں ایک مضمون لکھ کر آپ کے دلائل کی تردید نہ کر لی،

۱۹۱۲ء میں تقسیم بنگالہ کی تیئیس اور طرابلس و بلقان اور مسجد کا پور کے ہنگاموں کے بدولت مسلمانوں کے ہیجان کے زمانہ میں سب سے پہلا مضمون جس نے مسلمانوں کے سیاسی خیالات کا رخ بدل دیا، مولانا کے قلم سے نکلا تھا، جس کی سرخی "مسلمانوں کی پولیٹیکل کروٹ" ہے، اسی کے ساتھ یا اسی کے قریب قریب زمانہ میں دوسرا انقلاب انگیز مضمون نواب وقار الملک مرحوم کا تھا جس میں تقسیم بنگال کی تیئیس پر غم و غصہ کا اظہار تھا، مولانا نے اس مضمون

کا ذکر کیا تھا، اور اس کو "بہادرانہ مضمون" فرمایا تھا۔

اس زمانہ میں مسٹر محمد علی حسینی کی سرکردگی میں مسلم لیگ نے "سوٹ ایبل گورنمنٹ" کی تجویز منظور کی تھی، مولانا اس قیصر کے سخت مخالف تھے، اس وقت مسلم لیگ پر ان کی جو نظمیں تھیں اور جوان کے اردو کلیات میں موجود ہیں، وہ ان کے خیالات کی آئینہ دار ہیں، ان نظموں کو یہ مقبولیت حاصل تھی کہ جس ہفتہ اخبارات میں ان کی کوئی نظم شائع ہوتی تھی تو وہ بچہ بچہ کی زبان پر آجاتی تھی،

مسجد کانپور کے ہنگامہ میں ان کی نظموں نے مسلمانوں کے جذبات میں آگ لگا دی تھی، ہم کشکانِ معرکہ کانپور ہیں،

والی نظم تو ہندوستان کے اس سرے سے اُس سرے تک ایک ایک مسلمان بچہ کی زبان پر تھی،

۱۹۱۲ء میں جو بڑا انقلاب انگیز سال تھا، مسلمانوں کی آزاد اخبار نویسی کا سال آغا ہے، جب لاہور سے زمیندار نے رنگ پٹا اور کلکتہ میں الملال نمودار ہوا تو وسط ہند کیے خالی رہتا، چنانچہ لکھنؤ میں سید میر جان کی کوشش اور مولانا کے زیر مشورہ مسلم گزٹ نکلا، مولانا اس میں کبھی نام سے اور کبھی بے نام مضمون لکھتے تھے، مولوی وحید الدین صاحب سلیم مرحوم کو اس کی اڈٹیری کے لئے مولانا ہی نے بلوایا تھا،

انگریزی ترجمہ قرآن کی تجویز قریب قریب پوری ہو چکی تھی، نواب عابد الملک بلگرامی نے جو اپنے زمانہ کے بے نظیر انگریزی انشا پرداز تھے، مولانا کی تحریک سے پندرہ پاروں تک ترجمہ کر چکے تھے جو مطبوعہ مسودہ کی صورت میں اب بھی موجود ہے، پھر مولانا حمید الدین صاحب مرحوم جب دارالعلوم حیدرآباد میں پرنسپل ہو کر گئے تو نواب صاحب نے ان کے

نما
س کو

نما
نیوں

تھے
اکا

بن
ہو

ہو
ہو

ہو
ہو

ہو
ہو

ہو
ہو

ہو
ہو

مشورہ واستصواب اپنے ترجمہ کے کئی پاروں پر نظر ثانی کی، مگر نواب صاحب کی وفات کے بعد جب میں نے یہ مسودہ نواب صاحب مرحوم کے خلف الرشید نواب ہمدی یار جنگ بہادر وزیر سیاسیات و تعلیمات سرکار نظام سے منگو بھیجا تو اس نظر ثانی شدہ مسودہ کا پتہ نہ چلا جس کا بہت افسوس ہے،

صفحہ ۲ پر ایک اہم تجویز کے نام سے ۱۱ فروری ۱۹۱۴ء میں دارالمصنفین کا تخیل پیش کیا تھا، وہ اس کی فکر میں تھے کہ اسی سال نومبر ۱۹۱۴ء میں انھوں نے وفات پائی، اس کے بعد اس تجویز کو عملی صورت میں جس طرح لایا گیا وہ آپ کے سامنے ہے،

ندوہ کی تعمیرات کی تجویزوں کے سلسلہ میں انھیں بڑی کامیابی ہوئی، ان کی تجویز کو پڑھ کر والی بھاؤ پور کی جدہ محترمہ مرحومہ نے پچاس ہزار روپیہ کمشت دیدیئے، دارالافتاء کی تحریک کا یہ اثر ہوا کہ خود انھوں نے اور ان کے متعدد دوستوں نے اپنا خزانہ کمرون کے لئے ایک ایک ہزار دیئے، جن سے ندوہ کے موجودہ بورڈنگ کے کچھ کمرے بنے ہوئے،

ندوہ کے فائغ شدہ طلبہ کی دستار بندی کا جلسہ جس کی تحریک ۱۹۱۴ء پر درج ہے نہایت کامیابی سے ہوا، یہی جلسہ میری علمی کامیابیوں کا دیباچہ ہے، استاد نے خوش ہو کر اپنے سر سے پگڑی اتار دی اور بھرے جلسہ میں شاگرد کے سر پر باندھی، واقعہ کی تفصیلات دارالعلوم کی اس سال کی روداد میں درج ہیں،

قدیم عربی کتابوں کی اشاعت کی جو تجویز انھوں نے ۱۹۰۶ء میں پیش کی تھی گو وہ اس وقت پوری نہیں ہوئی، لیکن عجیب بات ہے کہ جن قلمی کتابوں کی اشاعت کا نام انھوں نے لیا تھا ان میں سے ایک (مناقب شافعی للرازی) کے سوا سب کتابیں ان کی زندگی میں چھپ گئیں اور وہ دائرۃ المعارف جس کے کام سے ان کو مایوسی تھی ان کے ”حبیب صمیم“ اور بانی کار کے

خلف الرشید اور ان کی درس گاہ کے چند تعلیم یافتوں کے ہاتھوں اس کی ایسی کاپیاں لٹ ہوئی کہ اس باب میں مولانا مرحوم کے اشرار دے پورے ہو گئے، علم کلام کی مجلس خط و کتابت سے آگے نہیں بڑھی،

اس میں ایک مضمون المامون کی کسی تنقید کے جواب میں ہے، مولانا مرحوم کی عادت یہ تھی کہ ان کی کتابوں پر جو تنقیدیں لکھی جاتی تھیں، وہ ان کا جواب نہیں دیتے تھے، اخیر زمانہ میں جب طالب علم کے نام سے ہمارے فلسفی دوست "مولانا عبد اللہ" کی نہایت سخت تنقید المامون میں مولانا کی تصنیف الکلام پر شائع ہوئی تو مجھے سخت غصہ آیا، اور اسی حالت میں میں مولانا کے پاس آیا، اور یہ سمجھا کہ جب میری یہ حال ہے تو مولانا کا کیا حال ہوگا، مگر دیکھا کہ دریا کی سطح بالکل ساکن ہے، میں نے بڑے جوش سے جواب لکھنے کی تجویز کی تو میری ساری گرم گفتگو کا جواب اس مختصر سے ٹھنڈے فقرہ میں دیا، جو وقت اس میں خرچ کیا جائے، اس میں کوئی اور نیا کام کیوں نہ کر لیا جائے :

اس کلیہ میں صرف ایک استثناء ہے اور وہ المامون پر ایک تنقید کا جواب ہے، تنقید اس نوجوان کے قلم سے نکلی تھی، جواب نواب صدربار جنگ بہادر کے خطاب سے خطاب ہیں، مولانا کا جواب ۲۲ فروری ۱۸۸۹ء کے اخبار آزاد لکھنؤ میں شائع ہوا تھا جس کے اوپر شوق قدوائی مرحوم تھے، جواب کا لہجہ گوتلخ ہے، مگر یہ تلخی کیسی خوشگوار تھی کہ اسی تعلق سے آپ نے دوسرے کو پہچانا، اور اس کے بعد مولانا کی تصنیفات پر تقریظ و تنقید شامل شروانی کے بدیع الاسلوب قلم کا دلچسپ کارنامہ بن گئی،

یہ مضامین جو متفرق اخباروں اور رسالوں سے منسلک جمع کئے گئے ہیں، حق یہ ہے کہ اس منسلک کام کی انجام دہی کا سہرا مولانا کے ایک معتقد ندوی مولوی معین الدین صاحب

فات
جنگ

بہ نہ چلا

نہی کیا
کے

یز کو

اقام

ہاں

ہاں

ہاں

کی

تاج

تاج

تاج

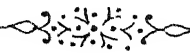
تاج

قدوائی (بارہنکی) کے سر ہے، اب اتنے دنوں میں وہ کچھ سے کچھ ہو گئے، اور زمینداری
کے کاروبار نے اس مذاق سے ان کو دور کر دیا ہے، مگر ان کا یہ کام یادگار رہے گا،

یسرے لیجانِ ندی

۶ رمضان المبارک ۱۳۵۷ھ

۳۱ اکتوبر ۱۹۳۸ء



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مذہبی

صبغہ اشاعت اسلام

اشاعت اسلام کی اہمیت کا احساس تمام ہندوستان کے مسلمانوں کو ہو گیا ہے، لیکن چونکہ اس کی وجہ ضرورت اور تدابیر کا پورا خاکہ مرتب نہیں کیا گیا، اس لئے اسکے متعلق جو کوششیں ہو رہی ہیں صاف نظر آتا ہے کہ ناقص اور ناکافی ہیں، ہم کو اس مسئلہ کے طے کرنے کے لئے امور ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہئے،

۱۔ اشاعت اسلام کی ضرورت،

۲۔ کامیابی کی تدبیریں،

اشاعت اسلام کے لفظ سے اگرچہ غیر مذہب والوں کا اسلام میں لانا مقاد ہو جاتا ہے، لیکن اس وقت ہماری مراد اس سے حفاظت اسلام ہے یعنی مسلمانوں کا اسلام، اولہ احکام اسلام پر قائم رکھنا، یہ ظاہر ہے کہ ہزاروں لاکھوں مسلمان جو دہات میں رہتے ہیں احکام اسلام سے ناواقف ہوتے ہیں، اس لئے آریہ وغیرہ ان کے مرتد کرنے کی کوشش کرتے ہیں، انہی نسلیں جو بچپن ہی سے انگریزی تعلیم میں مصروف ہو جاتی ہیں، وہ بھی اکثر اسلام سے ناواقف ہوتی ہیں، اس لئے انگریزی تعلیم ان کے عقائد کو متزلزل کر دیتی ہے، انہی دونوں گروہوں کے اسلام کی حفاظت کرنا اشاعت اسلام کا اصلی کام ہے، اسکی تدبیریں حسب ذیل ہیں

۱۔ ہر ضلع میں ایک یا دو مولوی مقرر کئے جائیں جو دیہات میں جا کر اور دس دس پانچ پانچ (جیسی کہ ضرورت ہو) روز قیام کیلئے اسلام کے عقائد اور احکام سکھائیں، اور ممکن ہو تو مکتب قائم کرائیں،

۲۔ ہر شہر میں ایک عالم مقرر کیا جائے جو انگریزی خواں طلبہ کو ہفتہ میں ایک دن دینیات پڑھائے جس کا یا تو یہ طریقہ ہے کہ سرکاری اسکولوں میں اس کا انتظام کرایا جائے یا خود اس عالم کے مکان پر طلبہ جمع ہوں، اور طلبہ کے مربیوں سے اس انتظام میں مدد لی جائے اس انتظام کے لئے ضرور ہو گا کہ ان طلبہ کی حالت کے موافق، دینیات کا نصاب تعلیم تیار کیا جائے،

۳۔ ایک جماعت آریوں سے مناظرہ اور مباحثہ کرنے کے لئے تیار کی جائے، جو بھاشا اور سنسکرت سے واقف ہو،

۴۔ آریوں کے ہمت عقائد کے رد میں چھوٹے چھوٹے رسالے شائع کئے جائیں، جو بخلاف موجودہ رسالوں کے نہایت تہذیب اور متانت کے ساتھ لکھے گئے ہوں،
(۵) اشاعت اسلام کی شاخیں ہر ضلع میں قائم کی جائیں، نہایت کثرت سے لوگ ممبر بنائے جائیں، چند ممبری کی تعداد چار سالانہ ہو، اور بذریعہ ویلوپی ایبل کے وصول کیا جائے،

۶۔ اشاعت اسلام کا سکرٹری اور اس کے سفر اور وعظین اور مقامی شاخوں کے عمدہ داکٹر کے لئے لازمی ہو گا کہ وہ مذہب یار لینے کا طریقہ نہ رکھتے ہوں، ورنہ ان کے ذریعہ سے فراہمی چندہ وغیرہ میں کیسوا کا ردوائی نہ ہو سکے گی،

۷۔ اس مختصر طریقہ کار ردوائی کو تحفہ کے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں شائع کیا جائے اور کاروائی شروع کر دی جائے (مقامی حوالہ سے)

نوسلم اچوت

اور

حفاظت اسلام

آریوں کی مذہبی دست درازیوں نے جس قدر ضرر پہنچایا، اس سے زیادہ فائدہ حاصل ہوا
بے شبہ ان کے اغواء اور فریب کاری سے چند بچ چکے تو مسلم، مرتد ہو کر اسلام کے دائرہ سے
نکل گئے، لیکن اس واقعہ نے ہندوستان میں اس سرے سے اس سرے تک ایک آگ
سی لگا دی، اور ہر طبقہ اور ہر درجہ کے مسلمان دفعۃً چونک پڑے مسلمانوں کا وہ گروہ جو
دنوی تعلیم کی مصروفیت کی وجہ سے مذہبی تعلیم سے بالکل غافل ہو گیا تھا، یہاں تک کہ
بعض بعض علاقہ مذہب کی توہین کرنے لگے تھے، وہ بھی گھبرا اٹھے اور بدحواس ہیں، کہ مذہب
ایک طرف مسلمانوں کی مردم شماری جس پر ملکی حقوق کی بنیاد ہے، گھٹتی جاتی ہے، اس کا
کیا علاج ہو گا!!

بے شبہ قوم کا یہ مذہبی احساس ہماری خوش نصیبی کی فال ہے، لیکن اس واقعہ کی تیرہا
جو نہایت اہم نتائج پوشیدہ ہیں، اہم کو ان پر نظر ڈالنی چاہئے،

سب سے پہلے ہم کو اس پر غور کرنا چاہئے کہ ان نو مسلموں کے مرتد ہو جانے کا سبب کیا
ہوا، اس کا جواب صرف ایک ہے، وہ یہ کہ یہ لوگ اسلامی عقائد، اسلامی احکام، اسلامی تاریخ

ردس دس
س اور ممکن

بن ایک دن
م کرایا جائے
م میں بدلیجائے
کا نصاب تعلیم

جائے، جو

جائیں، جو

ئے ہوں،

کثرت سے

ایمل کے

کے عہدہ کا

ابھی چنڈہ

والی شریعت کو
علاقہ اسلامی

سے بالکل ناواقف تھے، ان کا اسلام صرف نام کا اسلام تھا، اس لئے ذرا سی فریب کاری اور دھوکہ سے یہ عارضی رنگ اڑ گیا، یہ جواب بے شبہ صحیح اور سرتاپا صحیح ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ہماری موجودہ دنیوی تعلیم سے کیا اس پشین گوئی کی محنتی آواز نہیں آ رہی ہے؟ کیا ہماری دنیوی تعلیم (انگریزی تعلیم) میں عقائد اسلام کے استھان کا کوئی بندوبست ہے؟ کیا اس میں تاریخ اسلام کا کوئی معتد بہ حصہ شامل ہے؟ کیا وہ مذہبی زندگی کی ذمہ دار ہے؟ بے شبہ ابھی تک موجودہ نسلوں میں اسلام کی آثارات نظر آتے ہیں، لیکن یہ پھیلے اور موجودہ سوسائٹی کی بقیہ یاد گاریں ہیں،

کچھ زیادہ دن نہیں گزرے کہ اخباروں میں یہ مضامین مسلمان لیڈروں کی طرف سے شائع ہوتے تھے کہ اسلام کا قانون وراثت بدلنے کے قابل ہے، ایک مسلمان صاحب نے علانیہ لکھا تھا کہ قرآن کی وہ سورتیں جو مدینہ میں اتریں بادشاہانہ حیثیت رکھتی ہیں انکو مذہب سے کچھ تعلق نہیں،

بے شبہ ابھی اس قسم کی مثالیں کم ہیں، لیکن ابھی دنیوی تعلیم کو پھیلے ہوئے کے دن ہوئے ہیں، نو مسلم راجپوت، دوسو برس کے بعد اس حالت کو پہنچے ہیں، جدید تعلیم کی جو رفتار ہے، دوسو برس کے بعد اس سے کس قسم کے نتیجہ کی توقع ہو سکتی ہے؟

اس تقریر سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ دنیوی تعلیم کو روکا جائے، ہمارے نزدیک دنیوی تعلیم کو اس قدر پھیلا نا چاہئے کہ سچہ تعلیم یافتہ ہو جائے، لیکن ساتھ ہی ہم کو مذہب کی حفاظت پر بھی اپنی تمام قوت صرف کر دینی چاہئے، اس کی تدبیر اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ مذہبی تعلیم کی ایک وسیع اُشان در سرگاہ موجود ہو جس میں تمام مذہبی علوم نہایت یکیں اور انتہام کے ساتھ پڑھائے جائیں، طلبہ کو عمدہ تربیت دی جائے، وہ

دیروزہ گری کے طریقہ سے بچائے جائیں، ان کو ایثارِ نفس اور سچی قناعت و خودداری کی تعلیم دلائی جائے،

یہی صدا ہے جو ندوۃ العلماء نے بار بار بلند کی، اور جس کو سبک مغزوں نے اس شور و غل کے ہنگامہ سے دبا دینا چاہا، کہ ہنگو آج عربی تعلیم کی کوئی ضرورت نہیں۔
دوسرا مرقبہ قابلِ غور یہ ہے کہ آریوں کی دست درازی کو روکنے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے، وہ کہاں تک ٹھیک ہے، موجودہ حالت یہ ہے کہ ہر انجمن نے اپنے اپنے واعظ اور مولوی مقرر کر کے مختلف مقامات پر بھیج دیے ہیں، اگرچہ یہ مذہبی بے چینی اور مذہبی جوش کا ثبوت ہے، لیکن اس موقع پر قوتوں کا متفرق کرنا بالکل نامناسب ہے، ایک عام انجمن حفاظت یا اشاعتِ اسلام کے نام سے قائم ہونی چاہئے، اور تمام لوگوں کو اسی کا معاون اور شریک ہونا چاہئے، ندوۃ العلماء نے آغاز میں اشاعتِ اسلام کا ایک صیغہ قائم کیا تھا، لیکن چونکہ مختلف کام ایک وقت میں انجام نہیں پاسکتے تھے اس نے اپنی توجہ تمام مذہبی تعلیم کی طرف مصروف کی، اور اشاعتِ اسلام کے صیغہ کو ملتوی کر دیا، مولوی عبدالحق صاحب حقانی دہلوی نے ایک انجمن ہدایت الاسلام کے نام سے قائم کی، اگرہیں جو مشہور جلسہ آریوں کے مقابلہ میں ہوا، اور جس نے مسلمانوں کو برکتگی سے روک لیا، اس میں بڑا حصہ اسی انجمن کا تھا، ندوۃ العلماء نے بھی اپنا ایک عالم سفیر اس جلسہ میں بھیجا تھا،

بہر حال مناسب یہ ہے کہ تمام لوگوں کو متفقہ انجمن ہدایت الاسلام کو وسعت دینی چاہئے، اور اسی کو اس کام کا اصلی مرکز قرار دینا چاہئے، الگ الگ اور علیحدہ علیحدہ کام کرنے سے قوتیں پراگندہ ہوں گی، اور اس بدگمانی کا موقع ہو گا کہ لوگوں کو اخلاص

کاری،
سوال

ہے؟
بست
دار ہے؟
پچھلے او

ف
حب
ہیں انکو

لے
ن ہو
رہے

دنیوی

ب
ہا ہوتی

علوم

وہ

حفاظت و اشاعت اسلام

حفاظت و اشاعت اسلام کے متعلق جو سادہ اور مختصر خاکہ چھپوا کر بزرگانِ قوم کی خدمت میں ارسال کیا گیا، اکثر صاحبوں نے اس سے اتفاق ظاہر کیا، اور ہر قسم کی شرکت کی آمادگی ظاہر فرمائی، ان میں سے بزرگانِ ذیل کا نام خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے، جناب حکیم اچمل خاں صاحب، جناب ڈاکٹر اقبال صاحب، جناب نواب صدر الدین خاں صاحب رئیس بڑودہ، جناب مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی، جناب مولوی محمد دین صاحب ڈاکٹر تعلیمات ریاست بھاولپور، جناب نواب احمد سعید خاں صاحب رئیس دہلی، جناب بابو نظام الدین صاحب رئیس امرتسر،

لیکن وہ مسودہ نہایت مختصر اور مجمل تھا، اس لئے ضرور ہے کہ جو کچھ نصب العین ہو، اس کا پورا خاکہ ایک دفعہ پیش نظر کر دیا جائے، یہ صاف نظر آ رہا ہے کہ اسلام پر نہایت سخت خطرات محیط ہوتے جاتے ہیں، ایک طرف آریوں کی پرزور تدبیریں تمام نو مسلم گاہوں میں آریہ واعظوں کی مستقل سلسلہ جنبا نیاں، گروکل کی حیرت انگیز تیاریاں، مشنریوں کی وسعتِ عمل، ملاحدہ یورپ کے حملے مغربی خیالات کا اثر

ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کی سرد مہری، مذہبی تعلیم کی کمی، قوتوں کی پراگندگی، طرزِ عمل کی بے قاعدگی، سرمایہ کی بے استقلالی، دونوں حالتوں کو سامنے رکھ کر دیکھیے، کن

نتائج کی توقع ہو سکتی ہے،

مذہبی ضروریات کا انتظام | مذہبی ضروریات بہت سی وہ ہیں جو پہلے سے موجود ہیں، اور جن کے متعلق ملک میں پہلے سے ہر قسم کی تدبیریں جاری ہیں، مثلاً عربی مدارس، مساجد، واعظین وغیرہ وغیرہ ان چیزوں میں نہ شکل موجود ہات ڈالنے کی ضرورت نہیں، ہمارا دارالعمل وہ ضروریات مذہبی ہیں جو زمانہ حال نے پیدا کر دی ہیں، اور جن کا انتظام اور بندوبست اس قدر ضروری ہے کہ اگر جلد تر اس کا صحیح اور مضبوط اور منتظم طریقہ نہ اختیار کیا جائیگا، تو اسلام کو سخت صدمہ پہونچے گا، اور پھر اس کی کچھ مدافعت نہ ہو سکے گی یہ ضروریات حسب عنوانوں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں،

(۱) وہ ضرورتیں جن کا تعلق گورنمنٹ سے ہے،

(۲) وہ ضرورتیں جن کا تعلق مخالفین اسلام سے ہے، جو کہ مسلمانوں کو عیسائی یا ارتد وغیرہ بنانا چاہتے ہیں، اور جو ہماری غفلت کی وجہ سے کامیاب ہوتے جاتے ہیں،

(۳) وہ ضرورتیں جن کا تعلق خود مسلمانوں سے ہے،

جو ضرورتیں گورنمنٹ سے متعلق ہیں، | انگریزی گورنمنٹ کو تمام گورنمنٹوں پر اس بارہ میں فوقیت حاصل ہے کہ اس نے رعایا کو تمام مذہبی امور میں آزادی دی ہے، اور کسی مذہب کے اصول اور مسائل میں دست اندازی نہیں کرتی،

لیکن بعض موقع ایسے پیش آتے ہیں، کہ گورنمنٹ کو کسی فرقہ کے مذہبی مسئلہ کا صحیح علم نہیں ہوتا، اس صورت میں جب وہ فرقہ گورنمنٹ کو مطلع کرتا ہے، تو گورنمنٹ اس کے مطابق اصلاح کر دیتی ہے، مثلاً وقت اولاد کے متعلق حکام پریوی کونسل نے متعدد فیصلے نافذ کر دیئے تھے، کہ قانون اسلام کی رو سے محض اولاد پر وقت کرنا صحیح نہیں پریوی کونسل کے فیصلے

گویا ناقابلِ مشورہ ہوتے ہیں لیکن جب تمام مسلمانانِ ہندوستان نے ملکر یہ آواز بلند کی کہ یہ ان کے مذہب کی غلط تعبیر ہے، اور گورنمنٹ کو یقین ہو گیا کہ یہ تمام مسلمانوں کی متفقہ آواز ہے تو وہ اس کی اصلاح پر آمادہ ہو گئی، اور کونسل میں اس کا جو مسودہ پیش ہوا اسکرپٹری آف اسٹیٹ نے اس کو اصولاً تسلیم کر لیا،

اس قسم کے امور میں مثلاً ہندوستان میں مذہبی اوقاف کی تعداد کروڑوں روپیہ تک پہنچتی ہے لیکن ان میں سے اکثر بے مصرف صرف ہوتے ہیں، اور ہر سال لاکھوں روپیہ برباد جاتا ہے، اگر ان اوقاف کا باقاعدہ انتظام ہو جائے تو ہر قسم کی مذہبی ضروریات بغیر کسی نئی کوشش اور چندہ کے انجام پائیں،

مسلم لیگ وغیرہ نے گورنمنٹ کو اس طرف متوجہ کیا لیکن گورنمنٹ نے جواب دیا کہ یہ ثابت ہونا چاہئے کہ یہ تمام مسلمانوں کی خواہش ہے، اسی طرح ہائی کورٹوں میں پہلے یہ طریقہ تھا کہ ایک مفتی بھی مقرر ہوتا تھا، اور مقدمات میں اس کا فتویٰ لے کر حکام فیصلہ کرتے تھے، اب یہ قاعدہ نہیں رہا، اور اس لئے بہت سے مقدمات میں فقہ کی غلط تعبیر ہو جاتی ہے، بیرسٹر اور وکلاء فقہ سے اکثر ناواقف ہوتے ہیں اور اس لئے اس قسم کی غلطیوں کی تلافی نہیں ہو سکتی، غرض اس قسم کی بہت سی مذہبی ضرورتیں ہیں جن کو معقول طریقہ سے گورنمنٹ پیش کرنے کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ گورنمنٹ کو یہ یقین ہو کہ یہ تمام مسلمانوں کی متفقہ آواز ہے، اور یہ ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ایک عام انجمن قائم کی جائے جس میں مسلمانوں کے تمام فرقوں کے لوگ شامل ہوں،

مخالفینِ اسلام کے مقابلہ | اب یہ کوئی مخفی راز نہیں رہا کہ آریوں اور عیسائیوں نے ہمارے مذہب کی مذہبی ضرورتیں، میرے علاوہ عملہ شرع کہہ دیا ہے اور ان کی باقاعدہ اور مسلسل اور متواتر

ہیں، اور

مساجد،
رادائے محل

مذہب

لیگا، تو

حسب

انی یا آریہ

ب،

نوبت

یک

صحیح علم

مطابق

مذکر دئے

فصل

کوششیں ہر روز کامیاب ہوتی جاتی ہیں، ممالک متحدہ کی اس سال کی مردم شماری سے واضح ہوتا ہے کہ ۱۸۸۱ء میں عیسائیوں کی تعداد بمقابلہ آبادی کے ۳ فی ہزار تھی، لیکن اب ۲۹ فی ہزار ہے، آریوں کی تعداد ۱۸۹۱ء میں ۱۱ فی ہزار پانچ تھی، لیکن اب ۲۸ فی ہزار ہے، اس تعداد میں خود ہندوؤں سے بھی اضافہ ہوتا ہے، لیکن یہ قطعی اور چشم دید واقعہ ہے کہ ہزاروں مسلمان عیسائیت اور آریہ کائنکار ہو چکے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں،

مسلمانوں نے جو کوششیں اب تک آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں کی ہیں آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ پراگندہ، غیر منظم، اور ناکافی ہیں، اس لئے مخالفین کی کوششوں کے سیدھا کوروک نہیں سکتیں،

ان حلوں کے مقابلہ میں ہمکو دو قسم کی کوششوں کی ضرورت ہے،

مدافعت یعنی جاہل اور ناواقف مسلمانوں کو مخالفین کی دستبرد سے محفوظ رکھنا، اور اس غرض سے ان میں ابتدائی مذہبی تعلیم پھیلانا،

اشاعت ہمارے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ ہم مکیں بن کر صرف دوسروں کے حملہ سے اپنے آپ کو بچائیں، اسلام اس لئے آیا تھا کہ تمام دنیا پر اپنے آپ کو پیش کرے اس لئے ضرور ہے کہ ہم دوسری قوموں میں اپنے واعظ اور داعی بھیجیں جو اسلام کی تبلیغ کریں، یہ قطعی ہے کہ اگر صحیح طور سے مذہب اسلام دنیا کی قوموں کے سامنے پیش کیا جائے تو ہزاروں لاکھوں اشخاص نہ صرف ایشیا بلکہ یورپ میں بھی اسلام کو بے تکلف قبول کر سکتے ہیں،

مدافعت کا انتظام پہلی ضرورت یعنی مدافعت کے لئے ہم کو ایک مختصر نصاب جس کی

مدت تفصیل ۲ برس سے زیادہ نہ ہو مرتب کرنا چاہئے تاکہ چھوٹی چھوٹی تنخواہوں کے مدرسے اس غرض سے ہات آسکیں کہ نو مسلموں اور جاہل مسلمانوں کی آبادیوں میں جا کر انکو ابتدائی

مذہبی اور عام تعلیم دے سکیں، علماء دیہات میں معمولی تنخواہوں پر قیام نہیں کر سکتے اور معمولی خواندہ لوگ مذہبی تعلیم نہیں دے سکتے،

اشاعت کا انتظام | جب تک ایسے علماء تیار نہ ہوں جو انگریزی زبان اور علوم سے بھی واقف ہوں جس کی بنیاد مذوۃ العلماء نے ڈال دی ہے، اس وقت تک بغیر اس کے کوئی چارہ نہیں کہ قابل انگریزی دانوں کو پیش قرار و وظائف دیکر دو برس تک مذہبی تعلیم دی جائے اور پھر ان سے یہ کام لیا جائے کہ وہ ملکی زبان کے علاوہ انگریزی زبان میں بھی اسلام کی صداقت اور حقیقت پر تقریریں کر سکیں، اور لوگوں کو اسلام کا پیغام پہنچائیں،

اندرونی ضروریات | مسلمانوں کے ہزاروں لاکھوں بچے انگریزی تعلیم میں مصروف ہیں، اور مذہبی کا انتظام | یہ تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے، یہ لڑکے اکثر ان مدارس میں تعلیم پاتے ہیں، جہاں مذہبی تعلیم کا انتظام نہیں ہے، مذہبی تعلیم کے لئے گورنمنٹ سرکاری مدارس میں ایک آدمی گھنٹہ دے سکتی ہے، لیکن اس کا ہر قسم کا انتظام مسلمانوں کو خود کرنا ہوگا اس کام میں جو سب سے زیادہ وقت پیش ہو وہ یہ ہے کہ اردو زبان میں دینیات کی تعلیم کا کوئی مختصر و پچھلپ اور جامع نصاب موجود نہیں اس لئے سب سے مقدم یہ ہے کہ خود نصاب کے عنوان اور ترتیب کا خاکہ قائم کیے استہوار دیا جائے اور مقبول انعامات مقرر کئے جائیں اور ایک کمیٹی انتخاب کے لئے قائم کی جائے، اس طریقہ سے امید ہے کہ ایک عمدہ اور پچھلپ نصاب تیار ہو جائے یہ نصاب نہ صرف انگریزی مدارس کے لئے بلکہ دیہات کے ابتدائی مدرسوں کے لئے بھی کام آئے گا،

ایک عام انجن اور | لیکن یہ تمام کام جنہیں سے ہر ایک نہایت اہم ہے کسی خاص مقامی اور خصوصی اسکی شاخوں کی ضرورت | انجن سے انجام نہیں پاسکتے، ضروری ہے کہ تمام ہندوستان کی ایک مشترکہ انجن قائم کی جائے جس میں ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ شریک ہوں، اور جس کی شاخیں تمام ہندوستان

سے ونش
۲۹۰
پہلی

ہے اس
روں

ہیں آپ
کے سیلاب

ن غرض

سے اپنے
سری
ہم دو
بہ سلام
نہیں

کی
س
بدا
بدا

میں قائم کی جائیں،

انجن کا نظام | اس طرح قائم کیا جائے کہ ایک کونسل ہو جن کے ۲۵ ممبر ہوں اور ہر صوبہ سے پانچ پانچ ممبر لے جائیں چار یا پانچ مستقل سکریٹری ہوں یعنی ہر صوبہ کا الگ سکریٹری ہو، سو انتظامی ممبر ہوں اور وہ بھی ہر صوبہ کی مناسبت سے لے جائیں، کونسل اور انتظامی میروں کا انتخاب الگ الگ اور انتخابی اصول پر ہو، ان کے علاوہ عام ممبر ہوں جن کی تعداد محدود نہ ہو، اور جن کے لئے صرف اس قدر ضروری ہو کہ سالانہ عہدہ ادا کر سکیں، اور یہ تعداد اس قدر وسیع ہو کہ ابتدائی زمانہ میں کم از کم ایک لاکھ ممبر پر پورنچ جائیں،

کونسل کے قواعد، | کونسل کا ذکر نہایت مختصر طور پر کیا گیا ہے، اس کے لئے ایک مرتب دستور تیار کرنا کی ضرورت ہے، اور اہل الرائے حضرات سے خاص طور پر درخواست ہے کہ وہ اس کا مسودہ مرتب کرنے کی تکلیف کو ادا فرمائیں،

نیز اس سے بھی مطلع فرمائیں کہ آپ کے نزدیک کونسل اور مجلس انتظامی کی مبری کے لئے کون حضرات سب سے زیادہ موزوں ہو سکتے ہیں،
پائلٹس سے علیحدگی | اس انجن کو کسی حالت میں پائلٹس سے کچھ سروکار نہ ہوگا،

(مطبوعہ)

نوسلوں کو دُباؤ نہ ہو جائے سچا

کیلئے تمام برادرانِ اسلام کی خدمت میں فرما

اے برادرانِ اسلام! کبھی کبھی آپ کے کانوں میں بھنک پڑتی ہے کہ فلاں گاؤں میں مخالفوں نے نوسلوں کو آریہ بنایا، آپ اسکو اتفاقی اور شاذ واقعہ سمجھتے ہیں، لیکن واقعی حالت یہ ہے کہ خاموشی کے ساتھ اس قسم کی کوشش کا ایک مسلسل باضابطہ اور عالمگیر سلسلہ جاری ہے جس کے نتائج اسلام کے حق میں نہایت خطرناک نظر آتے ہیں، اس کوشش کی کامیابی اس وجہ سے زیادہ آسان معلوم ہوتی ہے، کہ ہزاروں دہات اور موضع اس قسم کے ہیں جہاں کے مسلم اسلام سے اس قدر بے خبر ہیں کہ ان کے نام کچھن سنگھ اور دیال سنگھ ہوتے ہیں، انھوں نے عمر بھر کبھی کلمہ کا لفظ نہیں سنا، ان کے گاؤں میں اگر کوئی مسجد ہے تو اس میں کبھی نماز نہیں ہوتی، البتہ گوبر سے کبھی کبھی مٹی پانی کر دی جاتی ہے، اس قسم کے دہات راجپوتانہ، بیکانیر، اور بھرت پور حصار اور سلطان پور وغیرہ میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

میں نے اس امر کی تحقیق کے لئے اخباروں میں اشتہار دیا، تو نہایت کثرت سے ان مقامات کے رہنے والوں کے خطوط آئے، اور انھوں نے تفصیل کے ساتھ واقعات لکھے، یہ نوسلم اکثر راجپوت ہیں، وہ مسلمانوں کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاتے، ان کی تمام رسمیں

یہ سے پانچ
لامی ممبر ہو

مس او
رت اس قدر
میں کم از کم

ستور تعلیم
وہ اس کا

کی مبری

طور اور طریقہ ہندوں کے ہیں وہ صرف اس علامت سے مسلمان خیال کئے جاتے ہیں کہ مردوں کو دفن کرتے ہیں، آگ میں نہیں جلاتے، اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے، تو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں،

آریوں کے واعظ اور سفیران دیہاتوں میں جاتے ہیں، اور ان سے کہتے ہیں ”تمہارے باپ دادا کو مسلمان بادشاہوں نے جبراً مسلمان بنایا تھا، اب تم یہ تنگ کیوں گوارا کرتے ہو“ یہ جادوان پر آسانی سے چل جاتا ہے، اور وہ ہندو ہو جاتے ہیں،

اس حالت کا قوم کو احساس ہوا، اور جا بجا انجینئرس قائم ہوئیں لیکن انھوں نے جو واعظ مقرر کئے وہ صرف شہروں میں دورہ کرتے ہیں، واعظ کہتے ہیں، آریوں سے مناظرہ کا اعلان دیتے ہیں، دیہات میں وہ اس لئے نہیں جاسکتے کہ دیہات میں جانے اور رہنے کی سختیاں وہ برداشت کرنے کے عادی نہیں، اگرچہ مناظرہ بھی خالی از فائدہ نہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ تدریس مرض صحتی علاج نہیں، یہ کام اس قدر دقت طلب ہے کہ ایک یا دو شخص کی رائے اس عقدہ کے حل کرنے کے لئے کافی نہیں، اس لئے ضرور ہے کہ اکثر مقامات سے صاحب تجربہ اور اہل الرائے اور واکاٹر حضرات ایک مقام پر جمع ہوں، اور آپس میں مشورہ اور غور و مبادلہ خیالات کے بعد ایک مفصل خاکہ تیار کریں، جس کے موافق باقاعدہ اور وسیع کارروائی شروع کی جائے، اس کے لئے یہ مناسب موقع ہے کہ ۴ اپریل ۱۹۱۳ء سے ۸ اپریل تک ندوۃ العلماء کا سالانہ اجلاس بہ مقام لکھنؤ منعقد ہوگا جن حضرات کے دل میں اسلام کا درد ہے وہ اس موقع پر تشریف لائیں،

جو تدبیریں اس وقت خیال میں آتی ہیں وہ اس غرض سے پیش کی جاتی ہیں، کہ تمام حضرات کو ان پر غور اور فکر کا موقع ملے، وہ تدبیریں حسب ذیل ہیں،

۱) اس قسم کے واعظ مقرر کئے جائیں جو دو دو چار چار جیسے ایک ایک گاؤں میں رکھ

لوگوں کو اسلام کے احکام سکھائیں، اس قسم کے واعظوں کے تیار کرنے کا خاص انتظام ہونا چاہیے،
(۲) دو دو چار چار گانوں کے بیچ میں ابتدائی مدرسے قائم کئے جائیں، جنہیں قرآن شریف
اور اردو کی تعلیم دی جائے،

(۳) صوفی وضع لوگ بھیجے جائیں، جن کا اثر عوام پر خود بخود پڑتا ہے،
(۴) مسلمانوں کے دیہات میں جو سرکاری ابتدائی مدرسے ہیں کوشش کی جائے، کہ ان کے
مدرسین مسلمان مقرر ہوں، اب تک اکثر ہندو مدرس مقرر ہوتے ہیں اور اس لئے بچوں کو
اسلام کی طرف رغبت نہیں ہو سکتی، غرض یہ ایک نہایت اہم مذہبی اور قومی مسئلہ ہے، اس کو
نہایت غور، فکر اور جدوجہد سے حل کرنا چاہئے، اگر مسلمان اسے خطرہ کی پرواہ نہیں کرتے، تو
ان کو اسلام کا نام نہیں لینا چاہئے،

مسلم گزٹ لکھنؤ

۱۱ اپریل ۱۹۱۲ء

ہیں کہ مردوں
پس کو مسلمان

”تھارے
دارا کرتے

نے جو دا
عظ

لان دیتے
شت
وں وہ بردا

مرض کاہلی

کے حل کرنے

ماورواکھر
قصر

بعد ایسا

کے لئے یہ

اب مقام

۷

حضرات

۸

میں رکھ

کاروائی،

انجمن وقف علی الاولاد

(زیر حمایت ندوۃ العلماء)

مسلمانوں کی فقہ کا یہ ایک مسلم مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی جائیداد کو اپنی اولاد پر وقت کر دے جس کی غرض یہ ہو کہ اصل جائیداد ہمیشہ محفوظ رہے، اور اس کے منافع سے اولاد ہمیشہ متمتع ہوتی رہے، تو یہ وقف شرعاً جائز اور صحیح ہو گا، یعنی اس جائیداد کو کبھی کوئی شخص فروخت اور منتقل اور ضائع نہیں کر سکے گا، اور اس کے منافع سے اس شخص کی اولاد کا سلسلہ جب تک دنیا میں قائم رہے، متمتع ہوتا رہے گا،

یہ طریقہ اسلام میں ہمیشہ جاری رہا، اور تمام بلاد اسلامیہ میں اب تک جاری ہے اور ہندوستان میں بھی ایک مدت تک جاری رہا، لیکن بعض خاندانوں میں نزاع پیدا ہونے پر اس کے متعلق سرکاری عدالتوں میں مقدمات دائر ہوئے اور پریوی کونسل سے فیصلہ ہوا کہ ایسا وقف ناجائز ہے، پریوی کونسل کا استدلال یہ ہے کہ وقف خیرات کرنے کا نام ہے، اور اپنی اولاد کو دینا خیرات میں داخل نہیں ہو سکتا، حالانکہ شریعت اسلام میں سب سے بہتر خیرات یہی ہے کہ اپنے عزیز و اقارب کو دیا جائے،

اس فیصلے کے بعد سرکاری طور سے اس قسم کے تمام اوقات باطل ہو گئے، اور یہ نقصان

عالمگیر ہوتا جاتا ہے،

چونکہ گورنمنٹ انگریزی کا یہ پہلا اصول ہے کہ کسی کے مذہبی احکام میں مداخلت نہ کرے
اس لئے قطعی اور یقینی ہے کہ اگر گورنمنٹ کو یقین ہو جائے کہ یہ مسلمانوں کا مذہبی مسئلہ ہے تو گورنمنٹ
ضرور اس فیصلہ کی اصلاح پر مائل ہوگی، لیکن جو کارروائیاں اس کے متعلق بعض بعض قوم کے بزرگوں
نے لیں، اس نے گورنمنٹ کو اس پر یقین نہیں دلایا، مولوی امیر علی صاحب نے ایک مقدمہ وقت
دمیر محمد اسماعیل خاں بنام منشی چرن گھوش میں اس مسئلہ کے جواز کے تمام دلائل لکھے تھے، لیکن حکام
پریوی کونسل نے یہ مقدمہ ابو الفتح بنام اس مایا دھر چودھری مندرجہ جلد ۲۲ ترجمہ انڈین لارپورٹ
مطبوعہ جولائی ۱۹۰۹ء، ان دلائل کو ماکافی خیال کیا،

اس کے بعد مولوی محمد یوسف صاحب وکیل کلکتہ نے ایک نہایت مفصل رسالہ اس کے
متعلق لکھا اور بحیثیت پریسیڈنٹ محمد ن ایسوسی ایشن بنگال، جناب گورنر جنرل بہادر کی خدمت
میں بھیجا، لیکن جناب موصوف نے مایرج ۱۹۰۸ء میں ان کو یہ جواب لکھا کہ پریوی کونسل کے فیصلہ
میں کوئی مداخلت نہیں ہو سکتی،

اب چند ام قابل غور پیدا ہوئے،

(۱) آیا یہ مسئلہ حقیقت میں مسلمانوں کا مذہبی مسئلہ ہے یا نہیں؟

(۲) اگر ہے تو گورنمنٹ کو کیونکر اس کا یقین دلایا جاسکتا ہے؟

(۳) گورنمنٹ پریوی کونسل کے فیصلہ میں مداخلت کر سکتی ہے یا نہیں؟

چونکہ دفعہ اول میں کچھ شبہ نہ تھا، اس لئے دفعہ دوم اور سوم کے متعلق میں نے قوم کے ان
اکابر سے جو امور قانونی اور ملکی معاملات میں سب سے بہتر رائے دے سکتے ہیں، خط و کتابت کی،
سب نے کامیابی کی امید ظاہر کی، اور خواہش کی کہ صحیح طریقہ سے اس تحریک کو جاری کیا جائے

پروقت
مذہبی متعلق
ت اور نقل
دنیا میں

ی ہے اور
ع پیدا ہونے
سے یہ فیصلہ ہو گیا
نے کا نام ہے
سے بہتر حیرت

در یہ نقصان

چنانچہ ان میں سے بعض خطوط کا اقتباس حسب ذیل ہے،

سید علی امام صاحب بیرسٹریٹ لاپریسیڈنٹ مسلم لیگ، ضرور اس امر کو
میں ہم مسلمانوں کو پوری اور کامل کوشش کرنی چاہئے، کہ فیصلہ پر یوی کونسل خلاف قانون اسلام
قرار دیا جائے میں مشورہ اور کسی قدر چیزہ سے بھی خدمت کر سکتا ہوں، فروری ۱۹۰۸ء

ہم مسلمانوں کو چاہئے کہ تمام ہند میں مجالس کریں، عرضداشت تیار کریں اور حضور میں دیکھ
کے اور ان کی کونسل کے حاضر ہوں، اور نیز سکرٹری آف ایسٹ تک سلسلہ جنابی کریں تاکہ
قانون بدلا جائے، ۲۲ فروری ۱۹۰۸ء

مولوی محمد شفیع صاحب بیرسٹریٹ لالا پور، میری قطعی رائے ہے کہ فیصلہ پر یوی
کونسل شرع محمدی کے اصولوں اور احکام کے خلاف ہے، اس امر کے متعلق جناب نے رسالہ میں
جو تجویز فرمائی ہے مجھے اس سے کلی اتفاق ہے، ۱۴ جون ۱۹۰۸ء

نواب امیر حسن خاں صاحب کلکتہ، صحیفہ معہ کاغذ وقت علی الاولاد درود ہوا
مجھے تمام تر آپ کی تحریکوں سے اتفاق ہے، ۱۴ فروری ۱۹۰۸ء

جناب مولوی حامد علی خاں صاحب بیرسٹریٹ لاکھنؤ، عنایت نامہ تجویز
متعلقہ مسئلہ وقت وصول ہوئے نہایت عمدہ تجویز ہے، میرا خیال اس طرف عرصہ سے ہے بلکہ
ایک مسودہ نہایت مدلل و مفصل لکھ کر ایک صاحب کو دیا تھا، ۱۴ فروری ۱۹۰۸ء

جناب نواب انتصار جنگ بہادر سکرٹری علی گڑھ کا سچ، وقت
اولاد کا مسئلہ آل انڈیا مسلم لیگ کی کارروائی کا بہت خوشگوار جرن ہے، لیکن یہ ظاہر ہے
کہ مختلف اجزاء کے لحاظ سے مختلف قابلیتوں کے لوگ ان کے سرانجام دینے کو درکار ہوا
کرتے ہیں، اگر آپ اس کام کو بدستور اپنے ہاتھ میں رکھیں اور جو مدد آپ کو لیگ سے درکار ہو

وہ لیگ سے لیتے رہیں، اور آخر کار اس مسئلہ کو لیگ گورنمنٹ میں پیش کرے تو میرے نزدیک نہ صرف مناسب ہوگا بلکہ کامیابی کے لئے بہت مفید، ۲۷ جنوری ۱۹۰۸ء

سید ظہور احمد صاحب مقیم لندن، جسٹس امیر علی صاحب سے اس کے متعلق پوری باتیں ہوئیں، ان کی رائے ہے کہ گورنر جنرل ہند سے درخواست کی جائے کہ وہ محمدن لاکے منشا کے مطابق علماء کی رائے سے ایک قانون اوقاف کے موافق پاس کر دیں، پریوی کونسل کو اس میں کچھ اعتراض نہ ہوگا،

ہم مسلمانان موجودہ لندن جن کا تعلق قانون سے ہے آپ کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہم ہر قسم کی خدمت جو ہم سے آپ اس کی بابت یہاں پر لینا چاہیں، بجالانے کو تیار ہیں،

۱۳ مارچ ۱۹۰۸ء از لندن
مولوی محمد شریف آنریری سکریٹری وقف کمیٹی مقیم لندن، وقف علی الاولاد کے مسئلہ کی ترمیم کے لئے یہاں وقف کمیٹی قائم ہوئی ہے، چونکہ کوئی کام اس کے متعلق بلا آپ لوگوں کی رائے کے کرنا مناسب نہیں ہے، اس لئے اسکی اطلاع دیتا ہوں،

غالباً سکریٹری آف ایڈٹ کے پاس یا تو ڈپوٹیشن یا میموریل مع دیگر کاغذات کے انشاء شدہ جلد بھیجیں گے، اس کی اطلاع آپ کو دیں گے، آپ جو کام اس کے متعلق کرنا چاہیں اسکی اطلاع دیجئے گا، ۲۴ دسمبر ۱۹۰۸ء

مولوی محمد یوسف صاحب کیل ہائی کورٹ کلکتہ، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تمام ہندوستان سے درخواست گورنمنٹ میں دیجائے کہ وقف کا قاعدہ شرع کی رو سے ہے، اس کو آئین میں مندرج کر دیا جائے تاکہ پریوی کونسل کے فیصلہ کا اثر نہ رہے، ۱۹ مارچ ۱۹۰۹ء
مولوی مشیر حسین صاحب قدوائی بیسٹراٹ لکھنؤ میں تینوں طرح سے مدد دے

وقت

اسلام

۱۹

میں دیکھا

رہیں تاکہ

سی

میل پریوی

بسالہ

رود ہوا

توجہ دینے

ہے بلکہ

۱۹

وقت

ماہر ہے

ہوا

رکارڈ

کو تیار ہوں، میں ترتیب و ترجمہ انگریزی کو اپنے ذمہ لوں گا۔

نواب نصیر حسین صاحب خیال کلکتہ گذشتہ مئی میں سٹریٹس امیر علی نے لندن سے ایک خط میں فقر کو تحریر فرمایا تھا کہ وہ اس امر میں کوشش کرنا چاہتے ہیں اور مسلمانان ہند متفق ہوں، تو وہ اور زیادہ آمادہ ہوں، فقیر ہر طرح کی مدد کے لئے حاضر اور کلکتہ بلکہ صوبہ بہار اور بنگال کے متعلق جو خدمت ہمارے سپرد کی جائیگی، اس کی انجام دہی اپنا فرض سمجھے گا،

اس قسم کے اور بہت سے خطوط اور تحریریں، تمام اطراف ملک سے آئیں، یہاں تک کہ بعض بزرگوں نے بلا طلب اس کام کے لئے چندے بھی بھیج دیئے، چونکہ تمام اہل الرائے اس پر متفق تھے، کہ اس معاملہ میں کامیابی کی امید ہے، اور چونکہ سب لوگوں کے نزدیک یہ ضروری تھا کہ اس مسئلہ کے متعلق گورنمنٹ کو یقین دلایا جائے کہ مسلمانوں کا مسئلہ مذہبی مسئلہ ہے، اس لئے یہ مناسب سمجھا گیا کہ پہلے یہ مسئلہ ندوۃ العلماء کے سامنے پیش کیا جائے، جو تمام ہندوستان میں سب سے بڑی مقتدر مذہبی جماعت ہے، چنانچہ اکتوبر ۱۹۰۷ء جلسہ سالانہ ندوہ میں یہ مسئلہ ایک رزلوشن کی حیثیت سے پیش کیا گیا، اور یہ منظور ہوا کہ اس کے متعلق تمام ہندوستان کے علماء سے فتویٰ لیا جائے اور جب فتوے آجائیں تو مزید کارروائی کی جائے، اس تجویز کے مطابق علماء سے استفتا کیا گیا، اور عموماً دونوں مذہب کے علماء نے فتویٰ لکھا کہ یہ مسئلہ شریعت اسلام کا مسلم مسئلہ ہے، جب اگر تہجگہ سے فتوے آچکے تو ندوۃ العلماء کے جلسہ انتظامیہ مورخہ ۲ مئی ۱۹۰۹ء میں حسب ذیل رزلوشن منظور ہوئے،

(۱) رسالہ وقت علی الاولاد جو اس مسئلہ پر لکھا گیا ہے اس کا انگریزی میں ترجمہ کرایا جائے مع ان فتووں کے جو علماء نے لکھے ہیں، نیز علماء حرمین سے بھی فتویٰ حاصل کیا جائے، اور مصر میں اسکے متعلق جو فیصلے عدالتوں میں ہو چکے ہوں، بہم پہنچائے جائیں،

(۲) ایک مجلس وقت زیر حایت ندوہ قائم کی جائے، اور ہندوستان کی تمام مقتدر مجالس سے

اس میں مدد لی جائے،

(۳) ایک عرضداشت اس کے متعلق تیار ہو جس میں گورنمنٹ سے خواہش کی جائے کہ وہ بھٹ اسلام کے موافق قانون تیار کر دے،

(۴) اس عرضداشت پر تمام ہندوستان کے مسلمانوں سے دستخط کرائے جائیں اور دستخط کے بعد وہ ایک معزز اور مقتدر ڈپوٹیشن کے ذریعہ سے جناب حضور و میراے کی خدمت میں پیش کیا جائے، چنانچہ ان رزلوٹیشنوں کے مطابق کارروائی شروع کر دی گئی،

بڑا اطمینان اس امر کے متعلق یہ بھی ہے کہ جناب نواب عماد الملک مولوی سید حسین صاحب بلگرامی ممبر انڈیا کونسل نے اس مسئلہ کے متعلق، لندن میں تحریک شروع کی ہے اور ایک مفصل خط میں مجھ کو تمام وہ طریقے تحریر فرمائے ہیں جن سے کامیابی حاصل ہونے کی قوی امید ہے ان حالات کے گزارش کرنے کے بعد بزرگان قوم سے امور ذیل کی استدعا ہے،

(۱) جو مجلس وقت زیر حمایتِ ندوہ قائم کی گئی ہے اس کی مبری منظور فرمائیں،

(۲) عرضداشت پر دستخط کرنے کے لئے جو فارم تیار کئے گئے ہیں ان پر دستخط فرمائیں اور نہایت کثرت سے ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے لوگوں سے دستخط کرائیں،

(۳) چونکہ تمام کاغذات اور فتاویٰ کے انگریزی ترجمہ اور دیگر کارروائیوں کے لئے

ایک معتد بہ رقم درکار ہوگی، اس لئے چندہ سے اعانت فرمائیں، چندہ کی تمام رقمیں بینک بنگال لکھنؤ میں جمع ہوں گی اور اسکے خزانچی جناب مولوی احتشام علی صاحب لکھنؤ اور نواب علی حسن خان صاحب لکھنؤ ہوں گے، چندہ دینے والے صاحبوں کو اختیار ہے کہ چندہ کی رقم براہ راست بینک بنگال لکھنؤ میں بھیج کر، دونوں صاحبوں کے پاس بینک کی رسید بھیج دیں، یا خود ان صاحبوں کے پاس ارسال فرمائیں،

(الندوہ جلد ۶ نمبر ۴)

۲۶ مئی ۱۹۰۹ء ۶ مطابق ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ

نے لندن

ہند متفق

اور بنگال

تاک کہ

س پر متفق

تھا کہ اس

یہ مناسب

بڑی مقدار

کی حیثیت

لئے اور جب

رموگا دو

فترتے آپ

لئے،

لرایا جائے

صریں اسکے

برجاس سے

وقف اولاد کی

کاروائی کمان تک پہنچی

خدا کا شکر ہے کہ اس تحریک کی طرف قوم نے امید سے زیادہ توجہ کی، اس قدر لوگوں کو معلوم ہو گا کہ اس وقت تک اس تحریک کے متعلق کاغذات ذیل شائع ہو چکے اور ہو رہے ہیں،
(۱) فتاویٰ علمائے ہندوستان متعلق صحت مسئلہ وقف اولاد اس مسئلہ میں سنی و شیعہ دونوں فریق کے علمائے اتفاق کیا ہے)

(۲) رسالہ وقف اولاد جس میں پریوی کونسل کی غلط فہمی کے وجوہ ظاہر کئے گئے ہیں، اور اصل مسئلہ قرآن مجید اور حدیث اور فقہ سے ثابت کیا گیا ہے، (یہ رسالہ ۸ قیمت پر ملتا ہے)،
(۳) مختصر کارروائی جیسے ملک کے قابل اور لائق قانون دانوں اور مدبروں کی رائے اس تحریک کی کامیابی کے متعلق درج کی گئی ہیں،

(۴) فارم جس پر تمام ہندوستان کے مسلمانوں سے دستخط کرائے ہیں،
ان کاغذات کے شائع کرنے پر تمام اطراف سے ہمدردی اور اظہارِ اعانت کے خطوط آئے نہایت کثرت سے لوگوں نے فارم طلب کئے اور ان پر دستخط کرا کر بھیجتے جاتے ہیں،
اکثر بزرگانِ قوم نے انجمن وقف کی ممبری قبول کی، جن میں سے بزرگانِ ذیل کا نام خصوصیت

کے ساتھ لیا جاسکتا ہے،

کلکتہ	جناب نواب امیر حسن خاں صاحب رئیس
بانکی پور	جناب سید علی امام صاحب بیرسٹریٹ لا
لاہور	جناب خان بہادر محمد شفیع صاحب بیرسٹریٹ لا
لاہور	جناب فضل حسین صاحب بیرسٹریٹ لا
لکھنؤ	جناب لوی مشیر حسین صاحب قذوائی بیرسٹریٹ لا و تعلقہ دار
کلکتہ	جناب مولوی محمد یوسف صاحب وکیل ہائی کورٹ
لندن	جناب سید ظہور احمد صاحب
امر تسر	جناب خان بہادر شیخ غلام صادق صاحب
علی گڑھ	جناب لوی حبیب الرحمن خان صاحب شروانی رئیس
دہلی	جناب حاذق الملک حکیم محمد اجل خان صاحب
دہلی	جناب نواب احمد سعید خاں صاحب طالب
لکھنؤ	جناب سید نواب علی حسن خاں صاحب بہادر
ڈھاکہ	جناب آئریبل خان بہادر سید نواب علی صاحب
علی گڑھ	جناب نواب منزل اللہ خاں صاحب رئیس

جناب راجہ علی محمد خاں صاحب کے سی، ایس، آئی، رئیس محمود آباد نے اس مسئلہ کی طرف توجہ کی، جناب مولوی سید فخری صاحب نے مدراس سے اطلاع دی کہ وہاں ایک جلسہ اس کی تائید میں عنقریب منعقد ہوگا جس کے صدر انجنیئر سن آف اراکٹ ہوں گے،
بنگال میں جناب مولوی عبدالحق صاحب ہاشمی نے تمام بنگال کی انجمنوں اور عہدہ داروں

روگوں کو ملو

ہے ہیں،

سنی و شیعہ

گئے ہیں، او

تا ہے،

ن کی رائیں

ت کے خط

ہیں،

نام خصوصیت

کی فہرست مرتب کرائی ہے، اور ہر جگہ فارموں پر دستخط کرانے کے لئے کارروائی شروع کر دی ہو،
اب حسبِ نیل کارروائیوں کی ضرورت ہے،

(۱) تمام بڑے بڑے شہروں میں انجن وقت کی شاخیں قائم ہو جائیں،

(۲) فارموں پر کم از کم ایک لاکھ دستخط حاصل کئے جائیں،

(۳) نہایت ضروری اور مقدم امر یہ ہے کہ علماء کے فتاویٰ اور رسالہ وقت کا انگریزی میں

ترجمہ کیا جائے، ابھی تک اس کا معقول انتظام نہیں ہوا، کیونکہ ایسے لوگ جو عمدہ انگریزی لکھ سکتے
ہوں اور فنی اصطلاحات سے واقف ہوں کم ہیں، اور جو ہیں ان کو اپنے اشتغال سے فرصت نہیں
ناظرین سے ہم درخواست کرتے ہیں کہ ایسے لائق اشخاص کے نام سے ہم کو مطلع کریں کہ ان کی
خدمت میں درخواست کی جائے، ترجمہ کا معقول معاوضہ دیا جائے گا، اگر وہ معاوضہ
لینا منظور کریں گے،

(۴) تمام کارروائی کے انجام دینے کے لئے کم از کم چار ہزار روپے کی ضرورت ہوگی،

اس لئے اس قدر سرمایہ ہم پہنچانے کی کوشش کی جائے، اس وقت تک جن صاحبوں نے چند
عطا فرمایا ہے اس کی تفصیل حسبِ نیل ہے،

انجن اسلامیہ امرتسر ما

جناب مولوی حبیب الرحمن خان صاحب شروانی رئیس محکم پور ص

جناب شیخ غلام صادق صاحب رئیس امرتسر ما

جناب نواب منزل اللہ خان صاحب رئیس محکم پور ما

جناب مرزا سعید الدین احمد صاحب عرف احمد سعید خان صاحب ع

طالب صدر بازار میرٹھ،

- جناب عبدالماجد صاحب موضع ٹھریا فتح گنج غازی، ضلع بریلی عہدہ
 جناب مولوی محمد عالم صاحب وکیل قنوج صہ
 جناب سید محمد غلام جبار صاحب وکیل ہائی کورٹ حیدر آباد دکن عہدہ
 جناب سعادت اللہ صاحب رئیس موضع سنگھیا، ضلع پورنیہ عہدہ
 جناب سید غلام حسن خان صاحب وکیل منصفی کیرانہ ضلع مظفرنگر عہدہ

(التدوہ جلد ۶ نمبر ۱)

شعبان ۱۳۲۷ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۰۹ء



کردی ہو،

تا انگریزی میں
 ریزی کھ سکتے
 نہیں
 سے فرصت یا
 لیں کہ ان کی
 وہ معاوضہ

دورت ہوگی
 عوں نے چنہ

عہ

اوقافِ اسلامی

آپ اس بات سے واقف ہیں کہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیمی اور تمدنی ضروریات روز بروز بڑھتی جاتی ہیں، جس کے لئے مصارفِ کثیر درکار ہوتے ہیں اور اس وجہ سے ہر روز ایک نیا چنڈہ کھولنا پڑتا ہے، لیکن اس غریب قوم کی یہ حالت نہیں کہ ان تمام چنڈوں کی تکمیل ہو سکے، اس لئے اکثر کام ناتمام رہ جاتے ہیں، اور قومی ضرورتوں کو سخت نقصان پہنچتا ہے،

اس کی سب سے بہتر اور آسان تدبیر یہ تھی کہ ملک میں کروڑوں روپے کے جو اسلامی اوقاف ہیں، ان کا ایسا معقول انتظام ہوتا کہ وہ سبجا مصارف میں نہ صرف ہوتے، اور صحیح ضروریات کے کام میں آتے، اسی ضرورت سے مسلم لیگ اور دیگر اسلامی انجمنوں نے بارہا یہ رزلوشن پاس کیا کہ گورنمنٹ ان اوقاف کی نگرانی پر متوجہ ہو، لیکن گورنمنٹ سے یہ جواب ملا کہ دو باتیں ثابت کرنی چاہئیں، ایک یہ کہ یہ خواہش تمام قوم کی طرف سے ہے، دوسرے یہ کہ وہ اوقاف صحیح مصرف میں نہیں صرف کئے جا رہے ہیں، اس کے بعد مسلم لیگ یا اور کسی انجمن نے کچھ کارروائی نہیں کی، حقیقت یہ ہے کہ یہ کم دینا نہایت آسان ہے کہ اوقاف کا انتظام کیا جائے، لیکن یہ بتانا مشکل ہے کہ کون کسے اور کس طرح کیا جائے، گورنمنٹ تو اس لئے دست اندازی نہیں کر سکتی کہ وقت بوقت ایک مذہبی چیز ہے، اور گورنمنٹ کسی مذہبی چیز میں ہاتھ ڈالنے سے ہمیشہ محترز رہتی ہے، اور اس کو محترز رہنا چاہئے، قوم میں کوئی شخص یا چند اشخاص متوجہ ہوں تو وہ کیا کر سکتے ہیں

متولیانِ اوقاف پر کوئی اختیار حاصل نہیں، عدالت میں اگر مقدمات دائر کئے جائیں تو اس طویل عمل اور دوسری اور سب سے بڑھ کر مصارف کا کون کنٹریول ہو سکتا ہے،

اس بنا پر میں چاہتا ہوں کہ ایک مختصر سی کمیٹی قائم ہو جو اس کی تدبیروں پر غور کرے، اور کوئی صحیح اور متین اور قابلِ عمل طریقہ تجویز کرے ایک اسکیم (خاکہ) بنائے جو قوم کے سامنے پیش کیجائے اور فیصلہ کے بعد اس پر عمل کیا جائے اس بنا پر میں آپ سے خواہش کرتا ہوں کہ آپ اسکی ممبری قبول فرمائیں،

چند سرسری باتیں میں بہ دفعات ذیل پیش کرتا ہوں،
(۱) ایک مموریل تیار کیا جائے جس میں انتظامِ اوقاف کی خواہش گورنمنٹ سے کیجائے اور اس مموریل پر اس کثرت سے مسلمانوں کے ہر طبقہ سے دستخط کرائے جائیں کہ یہ مموریل تمام قوم کی طرف سے سمجھا جائے،

(۲) گورنمنٹ سے جس قسم کی نگرانی کی خواہش کیجائے اس طریقے کی ہو کہ مذہبی و دنیاوی کا کسی طرح احتمال پیدا نہ ہونے پائے مثلاً اس کا یہ طریقہ ہو کہ ایک کمیٹی قائم کی جائے جس کے ارکان تمام صوبوں سے نیا تبا نہ طریقے پر انتخاب کئے جائیں اور انتخاب کی تمام تر کارروائی صرف اسلامی جماعت کی طرف سے انجام پائے پھر گورنمنٹ سے درخواست کیجائے کہ اس کمیٹی کو باقاعدہ تسلیم کرے اور اس کو باضابطہ اختیارات تحقیقات وغیرہ کے دیئے جائیں پھر اس کی مرتب کردہ رپورٹ ملک میں شائع کیجائے اور گورنمنٹ سے درخواست کیجائے کہ اس کے مطابق عمل کیا جائے،

(۳) تیموری سلطنت میں تمام اوقاف کے انتظام کا ایک خاص عہدہ تھا جس کو صدر الصدور کہتے تھے، کیا گورنمنٹ سے یہ درخواست نہیں کی جاسکتی کہ یہ عہدہ دوبارہ پھر قائم کیا جائے،

بہرور بڑھتی

چند کھولنا

س لئے اکثر

سلامی اوقاف

وریات کے

نہ پاس کیا

تیں ثابت

اوقاف صحیح

کارروائی نہیں

لیکن یہ بتانا

میں کر سکتی

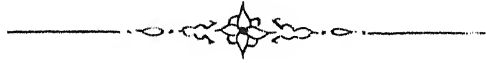
ہمیشہ محترمتی

با کر سکتے ہیں

لیکن صدر الصدور کا قترہ اُسی نیا بتانہ اصول پر اسلامی جماعت کی طرف سے ہوتا کہ گورنمنٹ
 کے متعلق کسی قسم کی دست اندازی کا احتمال نہ پیدا ہو سکے، ان کے علاوہ اور جو تجویزیں آپ کے
 خیال میں آئیں آپ تجویز فرمائیں،

(تاریخ ۲۶ جنوری ۱۹۱۲ء)

(مطبوعہ)



وقفِ اولاد کے مسئلہ

کے متعلق

ایک نہایت ضروری تحریک

جناب من ایہ ایک بدیہی اور مسلم الثبوت واقعہ ہے کہ انگریزی گورنمنٹ نے عموماً یہ اصول ملحوظ رکھا ہے اور ابتدائے حکومت سے آج تک اس پر نہایت مضبوطی سے قائم ہے، کہ کسی مذہب کے مذہبی احکام اور مسائل سے بلا کسی سخت مجبوری حالت کے تعرض نہ کیا جائے اور یہ وہ خصوصیت ہے کہ انگریزی گورنمنٹ کے سوا تمام دنیا میں اسکی بہت کم مثال مل سکتی ہے، با این ہمہ وقفِ اولاد کے مسئلہ میں قبصرِ ہند نے مشورہ پر یوی کونسل جو فیصلہ صادر کیا ہے وہ فقہ اسلام کے خلاف ہے، جسکی وجہ یہ ہے کہ بعض عدالتوں نے غلطی سے یہ سمجھا کہ اسلامی فقہ سے اولاد کے حق میں وقف کرنا نہایت نہیں ہوتا، اور عامی آدمی گمان بھی ہی کر سکتا ہے کہ وقف خیرات کا نام ہی ہے اور اولاد پر خیرات کرنے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں، جسٹس مسٹر امیر علی صاحب سابق جج ہائیکورٹ کلکتہ نے اپنے شریک جج سے مشورہ کر کے اس مسئلہ کو طے کیا تھا، لیکن اپنے فیصلہ میں فقہ کی کتابوں کے حوالے نہیں دیے اس لئے پر یوی کونسل نے اسکے ساتھ اعتنا نہیں کیا اور وقفِ اولاد کو ناجائز قرار دیا،

لیکن چونکہ یہ مسئلہ فقہ اسلامی کا ایک مسلم مسئلہ ہے اور پر یوی کونسل نے جو فیصلہ کیا ہے وہ غلط فہمی کی بنا پر ہے، اسی لئے یہ یقین ہے کہ اگر گورنمنٹ انگریزی اور پر یوی کونسل کو یقین دلایا جاسکے ایک ہی مسئلہ ہے اور اس میں مداخلت کرنا مذہبی احکام میں مداخلت کرنا تو قیطی ہے کہ پر یوی کونسل اپنی فیصلہ مسترد کرے گی، اس بنا پر تمام مسلمانوں کو اس امر کے متعلق ایک متفقہ کوشش کرنی چاہیے جسکا طریقہ حسب ذیل ہے،

(۱) ایک سالہ اردو زبان میں نہایت تفصیل اور تحقیق کے ساتھ فقہ کی مستند کتابوں سے تیار

کیا جائے جین ثابت کیا جائے کہ وقفِ اولاد فقہ اسلامی کا ایک مسلم اور قطعی مسئلہ ہے،

(۲) اس رسالہ پر تمام علماء ہندوستان سے دستخط کرائے جائیں،

(۳) اس رسالہ کا انگریزی زبان میں ترجمہ کرایا جائے،

(۴) ہندوستان کے ہائیکورٹوں اور پریوی کونسل نے جس بنا پر وقفِ اولاد کو ناجائز قرار

دیا ہے ان دلائل سے تعرض کیا جائے اور ان کی غلطی دکھائی جائے،

(۵) ایک محضر اس مضمون کا تیار کیا جائے کہ چونکہ وقفِ اولاد کا مسئلہ مسلمانوں کا ایک

مذہبی مسئلہ ہے، اس لئے پریوی کونسل نے اس کے متعلق جو غلط فہمی پیدا کی ہے اس کی اصلاح

قانون کے ذریعہ سے کر دی جائے،

(۶) اس محضر پر تمام اسلامی انجمنوں اور عام مسلمانوں کے دستخط کرا کے گورنمنٹ کے پاس

بھیجا جائے،

ان تمام امور کے انجام دینے کے لئے ایک رقم کی ضرورت ہے جس کی تعداد تخمیناً دو

تین ہزار ہوگی جس سے رسالہ کی تیاری، انگریزی ترجمہ اور خط کتابت کے مصارف ادا ہو سکیں

اس بنا پر ہم تمام مسلمانانِ ہندوستان سے التجا کرتے ہیں کہ اگر وہ اس تدبیر کو ضروری سمجھتے ہیں

تو خاکسار کو مطلع فرمائیں اور یہ بھی ظاہر کریں کہ وہ وجوہ مفصلہ ذیل میں سے کس قسم کی شرکت کر سکتے

(۱) مشورہ اور رائے میں شرکت،

(۲) چندہ میں شرکت،

(۳) رسالہ کی ترتیب، اور طبعاری، اور قانونی مشورہ اور انگریزی ترجمہ کرنے میں شرکت

(۲۴ دسمبر ۱۹۰۵ء)

الندوج ۴ نمبر ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۰۶ء

ممویل متعلق نماز جمعہ

ہم تمام مسلمانان ہندوستان جن میں سنی شیعہ، اہل حدیث، اور تمام اسلامی فرقے داخل ہیں حضور کی توجہ ایک نہایت اہم اور عظیم انسان مسئلہ کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں، جس کا اثر ان تعلقات پر پڑتا ہے جو مسلمانوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی رعایا ہونے کی حیثیت سے حاصل ہیں، اس مسئلہ کی تفصیل حسب ذیل ہے،

۱۔ انگلش گورنمنٹ کی سب سے بڑی خصوصیت جو اس کو تمام دنیا کی سلطنتوں سے ممتاز کرتی ہے، یہ ہے کہ اس نے رعایا کے تمام مختلف مذاہب کو آزادی دی ہے، اور اسکے تمام معتقدات اور اداکاران مذہبی کا اس طرح احترام کرتی ہے، کہ کوئی شخص اپنے فرائض مذہبی کے بچانے سے قاصر نہیں رہ سکتا، گورنمنٹ نے ابتدائے حکومت ہی میں اس اصول کا اظہار کر دیا تھا، اور آج تک گورنمنٹ نے اس اصول کو نہایت پابندی اور احتیاط کے ساتھ ملحوظ اور معمول پہ رکھا ہے،

۲۔ مسلمانوں کے جو اعمال مذہبی ہیں ان میں بعض اعمال وہ ہیں جن کو مذہبی اصطلاح میں فرض کہتے ہیں، یہ اعمال صرف ۵ ہیں اور ان کا یہ درجہ ہے کہ جو مسلمان ان میں سے کسی فرض کو ترک کر دے وہ مذہباً سخت جرم کا مرتکب ہوگا جس کی سزا آتش دوزخ ہے،

بازو فرما

ن کا ایک
صلاح

کے پاس

مینا دو
اسکین
بجھے ہیں
ت کر سکتے

ن بکت

۱۰

۳۔ ان فرائض میں ایک فرض جمعہ کی نماز ہے جو کہ جمعہ کے دن دوپہر کے بعد ادا کی جاتی ہے اور جس کے لئے شرط ہے کہ مسجد میں اور جماعت کے ساتھ ادا کیجائے،

۴۔ قرآن مجید میں جو کہ مسلمانوں کی کتاب الہی ہے اس نماز کے متعلق یہ صریح حکم ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ

مسلمانو! جب جمعہ کی اذان ہو تو خدا کی

من يوم الجمعة فاسعوا إلى

یاد (نماز) کے لئے دوڑو، اور خریدو

ذكر الله وذروا البيع، ذالکم

فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لئے بہتر

خیر لکم ان کنتم تعلمون؛

ہے اگر تم سمجھو،

۴۔ اس نماز کی اہمیت کا یہ نتیجہ ہے کہ دنیا میں جس قدر اسلامی سلطنتیں درستیوں میں نہیں جمعہ

کے پورے دن کی تعطیل دی جاتی ہے تاکہ لوگ اطمینان کے ساتھ مساجد میں یہ فرض مذہبی ادا کر سکیں

مصر اگرچہ انگلش حکومت کے زیر اثر ہے اور تمام بڑے بڑے محکموں اور ہائیکورٹ میں انگلش منبر

میں، تاہم وہاں عموماً جمعہ کے دن تعطیل ہوتی ہے،

۵۔ ہندوستان کی اکثر ہندو ریاستوں میں باوجود ہندو ریاست ہونے کے اول

باوجود اس کے کہ وہاں مسلمان ملازموں کی تعداد ہندوؤں سے بہت کم ہوتی ہے جمعہ

کی تعطیل دی جاتی ہے،

۶۔ انگریزی حکومت کے آغاز میں رعایا کا یہ خیال رہا کہ انگلش حکومت ایک فار

حکومت ہے، اور اسی لئے ہم کو اس سے یہ درخواست کرنے کا حق نہیں، کہ وہ اپنے انتظامات

حکومت میں ہمارے مذہبی اعمال کا ہر موقع پر خیال رکھے، اس بنا پر نماز جمعہ کے متعلق کوئی

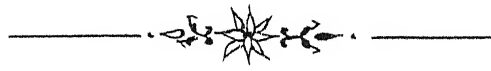
صد مسلمانوں کی طرف سے بلند نہیں ہوئی، لیکن جس قدر مسلمانوں کا تعلق گورنمنٹ سے بڑھتا

جاتا ہے، اور جس قدر مسلمانوں کی عام پبلک انگلش حکومت کے اصول انصاف و طریق حکومت

سے زیادہ آشنا ہوتی جاتی ہے، اسی قدر ان کا یہ احساس بڑھتا جاتا ہے کہ اس فرض کے ادا کرنے سے ان کو محروم نہ کیا جانا چاہئے،

۱۔ مسلمانوں میں انگریزی تعلیم روز بروز بڑھتی جاتی ہے، اس وجہ سے سرکاری ملازمتوں میں بھی ان کی تعداد بڑھتی جاتی ہے، اور بڑھتی جائے گی، اس لئے ایک تعداد کثیر کا یہ محسوس کرنا کہ ان کو ملازمت سرکاری کی وجہ سے اپنے ایک فرض بند ہی سے باز رہنا پڑتا ہے، ایک سنگین مسئلہ بن جاتا ہے،

(قلبی)



جاتی ہے

حکم ہے

لی

یہ

ہتر

پہلے نہیں جمعہ

بھی ادا کر سکتی

پہلے انگلش منسٹر

نے کے اول

تی ہے جمعہ

ایک فار

پنے انتظامات

لے متعلق کوئی

سے بڑھتا

و طریقہ کو

علمی و تاریخی

ایک عظیم الشان تحریک

یعنی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مفصل اور مستند سوانح عمری
مرتب کرنے کی تجویز

کیا عجیب بات ہے! ہندوستان میں چھ کروڑ مسلمان ہیں، ہشترقی علوم و فنون ابھی تک زندہ ہیں، نہایت لائق اور قابلِ فخر انشا پرداز موجود ہیں، ملکی زبان نے ایسی قابلِ قدر تصنیفات پیش کیں کہ روم و مصر میں معنوں کے لحاظ سے ان کا جواب نہیں، قومی روایات کا مذاق بچہ بچہ کی رگ میں ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قدیم اور جدید دونوں گروہ کو یہ عقیدت و نیاز ہے کہ آپ کے نام پر جان و مال قربان کر دینا کوئی بات نہیں،

یہ سب ہے لیکن اتنی بڑی وسیع قوم اور اتنی عالمگیر زبان (اردو) میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سوانح عمری نہیں، یا ہے تو ایسی ہے کہ اس کو سیرت نبوی کہنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو آزدہ کرنا ہے، سیرت نبوی کی ضرورت اس لحاظ سے اور بڑھ جاتی ہے کہ قوم میں جدید تعلیم و سہولت پھیلتی جاتی ہے، اور یہی جدید تعلیم یافتہ گروہ ایک دن قوم کی قیمت کا مالک ہو گا، یہ گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے حالات زندگی اگر جانتا چاہتا ہے تو اردو میں کوئی مستز کتاب نہیں ملتی، اس لئے اسکو چارنا چاہا اگرچہ تصنیفات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جن میں یا تعصب کی رنگ آمیزیاں ہیں یا ناواقفیت کی وجہ سے ہر موقع پر غلطیاں ہیں،

ایک خاص بات یہ ہے کہ سیرت نبوی کی ضرورت پہلے صرف تاریخی حیثیت سے تھی لیکن اب عقائد کی حیثیت سے بھی ہے، یورپ جو اسلام پر نکتہ چینی کرتا ہے، زیادہ تر اس بنا پر کرتا ہے کہ بانی اسلام کے اخلاق و عادات و تاریخ زندگی ایسی نہیں کہ ان کو خدا کا بھیجا ہوا مہم صوم سمجھا جاسکے، یہی وجہ ہے کہ سرولیم میو صاحب نے آنحضرت صلعم کے حالات زندگی پر جو کتاب لکھی اس کو پادریوں نے اپنا خاص کام سمجھا، اور خود صاحب موصوف نے تصریح کی ہے کہ انھوں نے یہ خدمت زیادہ تر پادری فکڑ صاحب کی رفع ضرورت کے لئے انجام دی،

میں ایک مدت سے ان باتوں کا احساس کر رہا تھا، لیکن اس بنا پر قلم اٹھانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی، کہ آنحضرت صلعم کے واقعات میں ایک حرف بھی صحت کے اعلیٰ معیار سے ذرا اتر جائے تو سخت جرم ہے،

یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں سیکڑوں ہزاروں کتابیں لکھی گئیں، لیکن جو گروہ زیادہ محتاط اور ادب شناس تھا، اس نے بہت کم جرأت کی، کیا محدثین مثلاً امام بخاری، مسلم، ترمذی، ابن داؤد، ابن ماجہ، امام مالک نے سیرت نبوی میں کوئی کتاب نہیں لکھی،

لیکن اس احتیاط سے بہت سے عظیم الشان مقاصد فوت ہوئے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مورخین اسلام مثلاً طبری، ابن قتیبہ، بلاذری، محمد بن اسحق وغیرہ نے جو علم حدیث میں بھی کمال رکھتے تھے باوجود تدین اور احتیاط کے آنحضرت صلعم کے حالات زندگی میں بیسوط کتابیں لکھیں، جس ضرورت نے مورخین کو اس پر آمادہ کیا، وہی آج بھی ہے، بلکہ آج یہ ضرورت اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے،

زندہ ہیں
لین کہ رو
ہو، جناب
پ کے

ل
مبارک
یلیم و
آنحضرت

قوم کی طرف سے ایک مدت سے تقاضا ہے کہ میں سب کام چھوڑ کر سیرت نبویؐ کی تلاش میں مصروف ہو جاؤں خود میں بھی اپنی پہلی رائے سے رجوع کر چکا ہوں، اور اس شدید ضرورت کو تسلیم کرتا ہوں، لیکن یہ کام انجام دینا آسان کام نہیں ہیں ان مشکلات کو کسی قدر توضیح سے لکھتا ہوں، تاکہ قوم اپنی اور میری ذمہ داریوں کو اچھی طرح سمجھ لے،
عربی میں آنحضرتؐ صلعم کی جس قدر سوانح نمایاں لکھی گئیں، اگرچہ بے شمار ہیں، لیکن جو اصل مآخذ ہیں حسب ذیل ہیں:-

مغازی موسیٰ بن عقبہ	یہ سب قدیم تصنیف ہے مصنف نے ۲۵ھ میں وفات پائی،
مغازی ابن اسحاق	یہ آغاز دولت عباسیہ کی تصنیف ہے،
سیرت ابن ہشام	مصر میں چھپ گئی ہے،
طبقات ابن سعد	اسکی دو جلد، خاص سیرت نبویؐ میں ہے،
تاریخ ابن واضح کاتب عباسی،	یورپ میں چھپی ہوئی پہلی جلد میں مختصر سیرت نبویؐ بھی ہے،
طبری المتوفی ۳۲۰ھ ہجری	مشہور کتاب اور ابن الاثیر اور ابن خلدون کا مآخذ یہی کتاب ہے،

یہی کتابیں تمام تاریخی کتابوں کا مآخذ ہیں، لیکن ان میں سے ایک کتاب بھی ایسی نہیں جہیں صرف صحیح واقعات درج کئے گئے ہوں، اس لئے ضرورت ہے کہ ان کی تحقیق و تنقید کی جائے، ان کتابوں میں اکثر راویوں کے نام مذکور ہیں، اس لئے اگر ان کے حالات معلوم ہو جائیں تو آسانی سے روایت کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا حال معلوم ہو سکتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ اسماء رجال کی جو مشہور کتابیں ہیں مثلاً تہذیب التہذیب و تہذیب الکمال و تہذیب الاسماء وغیرہ ان میں ان راویوں میں سے اکثر کے حالات نہیں ملتے، اس بنا پر سینکڑوں کتابوں کا مطالعہ کرنا اور ان راویوں کا پتہ لگانا پڑیگا، اس کے ساتھ تاریخی سلسلہ سے الگ بہت سی حدیث اور آثار کی نایاب اولہ

مستند کتابوں کو ہیا کرنا پڑیگا جن سے سیرت نبوی کے متعلق صحیح واقعات معلوم ہوں،
 حدیث کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے واقعات مختلف واقعات کے ضمن میں
 آجاتے ہیں، اس غرض سے حدیث کی تمام کتابیں چھاننی پڑیں گی، کہ ریزہ چینیوں سے ذخیرہ بنایا
 یہ ایک طرف کی مشکلات ہیں، دوسری طرف یہ وقت ہے کہ آج کل جو شخص سیرت نبوی
 کو مرتب کرنا چاہے اس کا بڑا قرض یہ ہے کہ یورپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں جو بے شمار
 کتابیں لکھی ہیں ان پر نظر رکھتا ہو، اگرچہ اس میں شک نہیں کہ یورپ کا مآخذ صرف عربی ہی تصنیفات
 ہو سکتی ہیں، لیکن یورپین مصنف عموماً ان ہی واقعات کو اس طرح ترتیب دیتے ہیں کہ نتیجہ ان کے
 موافق نکلتا ہے اس کے ساتھ وہ بہت سے ایسے راویوں سے استناد کرتے ہیں، جو مسلمانوں میں
 عام طور پر مشہور و معروف ہیں، لیکن دراصل ان کا کچھ اعتبار نہیں، مثلاً میسر صاحب نے اپنی کتاب
 کا مدار زیادہ تر واقدی اور ابن ہشام پر رکھا ہے، حالانکہ یہ دونوں محدثین کے نزدیک چنداں
 قابل اعتبار نہیں،

غرض یہ نہایت ضروری ہے کہ کم از کم انگریزی زبان میں جو کتابیں سیرت نبوی کے متعلق
 لکھی گئی ہیں، ان سے واقفیت حاصل کی جائے،
 واقعات مذکورہ بالا سے ثابت ہوگا، کہ ایک مکمل سیرت کی تصنیف کے لئے امور
 ذیل کی ضرورت ہے،

(۱) ایک وسیع کتب خانہ جس میں وہ تمام عربی اور انگریزی کتابیں ہوں جن کا اشارہ اوپر ہو چکا
 (۲) علماء کی ایک جماعت جن سے مشورہ اور مدد مل سکے، مذکورہ میں قابل ارباب
 علم موجود ہیں،

(۳) ایک اسٹاف جس میں حسب ذیل اشخاص ہوں،

سیرت نبوی کی کتاب
 ضرورت کو تسلیم
 یہ لکھتا ہوں،

ل مآخذ ہیں

مات پائی،

عی ہر،

بی کتاب ہو،

یہ ہیں جس میں

لیجائے، ان

س تو آسانی

سے بحال کی

نیں ان

ران راویوں

اب اور

معاون (۲) جو روایتوں کے نقل و انتخاب میں مدد دیں،
کاتب (۲) مسودہ کے صاف کرنے کے لئے،
مترجم انگریزی (۲) جو انگریزی کتابوں کا ترجمہ کریں،
چپراسی، (۱)

ان مصارف میں سے کتابوں کے خریدنے کے لئے کمیشنٹ رقم درکار ہے، باقی ماہوار مصارف
ہیں جس کی تعداد دو سو پچاس روپیہ ماہوار سے کسی طرح کم نہیں ہو سکتی، اور چونکہ محض اردو ادب
بے کار ہے جب تک انگریزی اور عربی میں شائع نہ ہو سیرت نبوی کی اشاعت کی ضرورت سب سے
زیادہ یورپ میں ہے، کہ یورپ کے خیالات کی اصلاح ہو، اسلئے کتاب کی تصنیف کیا تھ اس
بات کی بھی ضرورت ہے کہ اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ کیا جائے اس بنا پر مصارف کی تعداد
اور بھی اصفحہ ہو جائیگا،

ان اسباب کی بنا پر ایک مجلس قائم کی جاتی ہے جس کا نام مجلس تالیف سیرت نبوی ہوگا
اس کے ارکان حسب ذیل ہوں گے،
مرتب جو حضرات کم از کم کمیشنٹ ہزار روپیہ یا دس روپیہ ماہوار عنایت فرمائیں،
ارکان، جو حضرات ایک روپیہ ماہوار عنایت فرمائیں،
معین، جو حضرات نایاب قلمی تصنیفات ملکیہ یا مستعار عنایت فرمائیں یا کسی اور مفید
طریقہ سے مدد دیں،

ماہانہ چندہ ویلور سید کے ذریعہ سے وصول کیا جائیگا،
جو حضرات اس تجویز کے متعلق خط کتابت کرنا چاہیں وہ مجھ کو لکھنؤ کے پتہ سے مخاطب فرمائیں
الذوہ ج و نمبر، (جنوری ۱۹۱۲ء مطابق محرم ۱۳۳۳ھ)

ایک اور آفتابِ علم غروب ہو گیا

ہندوستان میں قدیم تعلیم کی یادگارین اس قدر کم رہ گئی ہیں کہ گویا کچھ نہیں رہیں تاہم اس وقت تک ہندوستان کے علمی اقدار میں جو روشنی ہے، اسی تعلیم کی ہے، فقہ، اصول، حدیث، تفسیر، ادب، کلام کا کوئی مشکل مسئلہ آج دریافت کرنا ہو تو نئی نسلیں بالکل بیکار ثابت ہوں گی، اس بنا پر جب اس قدیم عمارت کا کوئی ستون گرتا ہے، تو دل کانپ جاتا ہے، کہ اب کیا ہوگا، اساتذہ قدیم میں سے صرف دو شخص باقی رہ گئے تھے، مولانا لطف اللہ صاحب اور مولانا محمد فاروق صاحب چریا کوٹی، اور افسوس کہ ان دو میں سے بھی ایک نے اپنی جگہ خالی کر دی، یعنی مولانا محمد فاروق صاحب نے ۲۷ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو انتقال کیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ، مولانا موصوف چریا کوٹی کے رہنے والے تھے، جو اعظم گڑھ کے ضلع میں ایک مردم خیز قبضہ ہے، انھوں نے اپنے بڑے بھائی مولوی عنایت رسول صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب علی اور مولوی نعمت اللہ صاحب فرنگی علی سے تمام علوم کی تکمیل کی تھی، علم ادب اگرچہ بطور خود حاصل کیا تھا، تاہم بہت بڑے ادیب اور ناظم و ناشر تھے،

مزاج میں سخت و استغی، بے پروائی اور بے تکلفی تھی، اس لئے ایک جگہ قیام نہیں کر سکتے تھے، نہ کوئی کام یا قاعدہ انجام دے سکتے تھے اسی وجہ سے کوئی بڑی خدمت یا عہدہ نہ حاصل کر سکتے تھے اس کی ان کو پروا تھی، علمی ذوق اس قدر غالب تھا کہ سخت سی سخت دنیاوی کمکشوں میں بھی

مصارف

ادب

بے

ن

میں

خدا

ہوگا

شید

کین

ہے

تعلیم و تعلیم کا مسئلہ منقطع نہیں ہوتا بے قاعدگی کی وجہ سے کوئی مستقل تصنیف نہیں کی، چھوٹے چھوٹے
 دو چار رسالے لکھے اور وہ بھی نام نہاد رہ گئے، تمام مسائلِ علمیہ میں مجتہدانہ رائے رکھتے تھے، اور جب
 کوئی کتاب پڑھاتے تھے تو عموماً مصنف کی غلطیوں اور فروگزاشتوں سے تعرض کرتے تھے،
 میں نے معقولات کی تمام کتابیں مثلاً میرزا ہدایہ، ملا جلال مع میرزا ہدایہ، حمد اللہ، شرح مطالع، صدر
 شمس ہارغان، ہی سے پڑھیں، اور میری تمام تر کائنات ان ہی کے افادات ہیں، فارسی کا مذاق بھی
 ان ہی کا فیض ہے، اکثر ساذگہ کے اشعار پڑھتے اور ان کے ضمن میں شاعری کے نکتے بتاتے،
 چونکہ ان کی کوئی علمی تصنیف شائع نہیں ہوئی، اس لئے ہم چند اشعار درج کرتے ہیں کہ
 شے نمونہ از خردارے،

رسیدی در بودی دین و دل جنبشِ خشنی	بہ یک گردشِ چو جامِ بادہ کامِ سختی
بہ گلشنِ آمدی و غنچہ را در غوں جگر کردی	نسیمِ آسما سمندِ ناز بر گلِ تا سختی

نہ دارد دلِ دگر تابِ طپیدن	نگاہِ خوش را درِ حمِ آشنان
نہ دارد چشمِ من تابِ جمالت	بیا چوں مردِ مک در دیدہ جاکن

زمانہ گرز خطِ حکم تو بہ پی سپر	دور شستہ شبِ روزش بہ تن شود زنا
--------------------------------	---------------------------------

(الندوہ جلد ۶ نمبر ۹)

ماہ اکتوبر ۱۹۰۹ء مطابق رمضان ۱۳۲۷ھ

ابن رشد

جناب اڈی صاحب میں نے اخبار آزاد مبلوغہ ۱۶ نومبر ۱۹۸۸ء میں وہ ریویو پڑھا جو آپؒ المامونؒ پر نہایت قابلیت سے لکھ رہے ہیں، اس ریویو میں آپؒ نے مثلاً ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے جو آپؒ کے نزدیک مسلم اور بدیمی الثبوت مسئلہ بن گیا ہے، یعنی یہ کہ امام ابو الولید ابن رشد جو مسلمانوں میں اس سطور کا ہم پلہ تھا، اسلامی تاریخ میں ایک گم شدہ شخص ہے، ۱۲ اکتوبر ۱۹۸۸ء کے پرچہ میں بھی آپؒ نے اسکو نشا پیش کیا ہے اور جہاں تک مجھ کو یاد ہے ایک اور پرچہ میں بھی آپؒ نے اس واقعہ کو عبرت انگیز صورت میں دکھایا ہے،

مسٹر سید حسن بلگرامی النخاطب بہ عماد الدولہ کا وہ مضمون جو ابن رشد اور اس کے معاصرین پر ہے جب اول اول اخبار اردو کاڈ میں چھپا تو اس وقت مجھ کو گمان ہوا کہ اس خاص امر کی نسبت وہ بہت سے لوگوں کے لئے غلطی میں پڑنے کا باعث ہوگا، آپؒ مجھے معاف فرمائیں گا، اگر میں یہ کہوں کہ اس دام میں پہلے پھپھنے والے آپؒ تھے، مسٹر عماد الدولہ کے یہ الفاظ ہیں ”افسوس ہے کہ ایسے بڑے حکیم کا نام تک ہمارے یہاں کسی کو معلوم نہیں ہے، نہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں نہ ابن خلکان نے دنیات الاعیان میں اس حکیم کا ذکر کیا ہے، غرض کہ ابن رشد کا اگرچہ ہماری مشرقی کتابوں میں کسی نے نام تک مشکل لکھا ہے، ابن رشد کی تصنیفات بکثرت ہیں، اگرچہ کوئی ایک بھی ان میں سے ہمارے ہاتھ میں موجود نہیں ہے، ابن رشد کی اصل کتابیں ہی مفقود ہیں، عربی

ٹے چھوٹے

اور جب

تھے،

لاح، صدر

کا مذاق بھی

بنتا ہے،

تے ہیں کہ

نہی

نہی

ن

ن

ورنہ

۱۳۳۹ھ

عبری اور عربی سے لاطینی میں جس قدر ترجمہ ہوئی تھیں، یورپ کے کچھانوں میں دستیاب ہوتی ہیں۔
ان مکرر اور واضح تصریحات سے اگر آپ نے خیال فرمایا کہ مسلمانوں کی علمی دنیا میں ابن رشد ایک
گمنام شخص ہے، تو چنڈاں تعجب نہیں لیکن میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ عماد الدولہ بہادر کی سرمدی
کر کے اسلام کی تاریخی وسعت کی نسبت بخطن نہ ہو جائے، علامہ مقریزی تاریخ نفع الطیب میں ابن رشد
کو فلسفہ کا امام بتاتے ہیں (دیکھو نفع الطیب مطبوعہ فرانس ۱۸۶۱ء جلد ثانی صفحہ ۱۲۵)

محب فی فیض العرب میں ابن رشد کا مفصل تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ بادشاہ کے ایما سے
اس نے تمام تصنیفات ارسطو کا ایک جامع خلاصہ لکھا ہے جو ایک سو پچاس جزو میں تھا خلیفہ ناصر الدین
عباسی کے زمانہ میں جن مشہور علمائے اترقال کیا، ان کی فرست میں حافظ جلال الدین سیوطی ابن رشد کا
نام ان لفظوں سے لکھتے ہیں "صاحب العلوم الفلسفہ" صاحب کشف الظنون نے اس کے متعدد
تصنیفات کا ذکر کیا ہے، (دیکھو تہافت الفلاسفہ و کتاب الکون والفساد کے تحت میں) کیا اس پر
بھی آپ عماد الدولہ کے اس حصر کو تسلیم کریں گے؟ یا فنی نے فقط اس قدر لکھا ہے کہ ۵۹۵ھ میں
اس نے وفات پائی، عماد الدولہ تو ابن رشد کے تمام تصنیفات کو نابید بتاتے ہیں لیکن اس کی تین
تصنیفیں تو خود ہمارے استعمال میں ہیں یعنی تہافت الفلاسفہ امام غزالی کا رد (مطبوعہ مطبع اعلامیہ مصر)
اور فصل المقال و کتاب الکشف عن منہاج الادلہ (مطبوعہ جرمنی مقام سوچین ۱۸۵۹ء) آپ کی طرح میں
بھی عماد الدولہ بہادر کی علمی قابلیت کا بہت ادب کرتا ہوں، لیکن اس گستاخی پر جس چیز نے مجبور کیا
یہ ہے کہ ان کی تحریر مسلمانوں کی تاریخی واقعیت پر ایک بیجا حملہ ہے،

آزاد۔ لکھنؤ

۴ دسمبر ۱۸۸۸ء

المامون

جناب من - آپ کے متواتر خطوط پہنچے، کہ میں ان تحریرات کی طرف متوجہ ہوں جو المامون کے متعلق اخبار آزاد میں شائع ہوئیں، بے شبہہ آپ کا مقصود صرف یہ ہے کہ امرحق فیصل ہو جائے، لیکن افسوس ہے کہ نہ مجھ کو فرصت اور نہ اس قدر عام رائیں لحاظ کی مستحق ہیں آج کل جس کے ہاتھ میں قلم ہے وہ پخلا نہیں بیٹھ سکتا، میں کس کس کی طرف توجہ کروں گا، آپ کو بہت بڑا شبہ یہ پیدا ہوا ہے کہ دولت عباسیہ میں رشید انتخاب کے قابل تھا نہ مامون ریویو لکھنے والوں نے بھی اس بات کو زیادہ طول دیا ہے، اس امر اور تمام دوسرے اعتراضات کا تصفیہ وہ شخص کر سکتا ہے، جس نے نہایت وسعت کے ساتھ تاریخی معلومات فراہم کیں ہیں، اور ساتھ ہی باریک میں اور تاریخی اصول کا نکتہ شناس بھی ہو، رشید کے تمام کارنامے کس کی نظر میں ہیں؟ المامون اور چند معمولی کتابوں سے جو واقفیت حاصل کی گئی ہے وہ رشید پر رائے دینے کے لئے کافی نہیں ہے، نہ کہ موازنہ جو بڑی تحقیق و تدقیق کا نتیجہ ہے المامون میں رشید کا تذکرہ ضمیمہ آگیا ہے، اور جس قدر کھنڈیا گیا ہے وہی مناسب موقع تھا، رشید کی برائیاں لوگوں نے صرف برا کہہ پر محدود خیال کیں، اور اس بنا پر مامون سے موازنہ کرنے کو طیار ہو گئے، مامون کی جس قدر غلطیاں اور برائیاں لوگوں نے گنائی ہیں، اس کے مقابل میں رشید کے اور تمام کارنامے موجود ہیں، برا کہہ کا واقعہ رشید کے الزامات کے پہلے کو بھاری

ہوتی ہیں
تاریخ
مادری سرد
ابن رشید

لے اہمارے
اندر
ناصر لدین
بن رشید کا
کے مستند
کیا اس پر
میں
کی تین
میں
میں
میں

کر دیتا ہے، اگرچہ مجھ کو زیبا نہیں کہ میں مرحوم ہارون الرشید کی فرد قرار داد جرم تیار کروں، لیکن
 اگر ہمارے دوستوں کے خزانہ معلومات میں المامون اور تالیخ الخلفاء کے سوا اور بھی کچھ ہو
 تو خیال کریں کہ وہ کون تھا جس نے سرحدی شہروں کے تمام گرجے بعض بیجا قصبے منہدم کرا دیے؟
 کون تھا جس نے اپنے قید خانہ کو بعض شبیہ کی بنا پر حضرت موسیٰ کاظم سے آباد کیا تھا؟ کون تھا
 جس کے درباری اس کی بد مزاجی سے اس قدر خائف رہتے تھے کہ اکثر اس کے پاس کفن پہن کر
 جاتے تھے؟ کون تھا جس نے حضرت یحییٰ بن عبد اللہ کو معاہدہ صلح لکھ دیا جس پر تمام علماء اور نبیوں
 کے دستخط تھے، پھر بے وجہ اون کو قید کر دیا؟ اور گوامام محمد صاحب نے کہا بھی کہ یہ بالکل اسلام
 کے خلاف کارروائی ہے، مگر باز نہ آیا، کون تھا جس کے عہد میں عمال اور عہدہ داران ملکی عداوت
 ظلم کرتے تھے، اور سال بھر ایک بار بھی مظلوموں کی فریاد سننے کو دربار نہیں کرتا تھا؟ کون
 تھا جس کو قاضی ابویوسف نے نہایت حسرت اور تہمت سے کتاب خراج میں یوں مخاطب کیا؟
 "قلو تقریت الی اللہ عزوجل یا امیر المومنین بالجلوس لمظالم رعیتک فی المشہار
 الشہرین مجلسا واحد التسمع فیہ من المظلوم وتنکر علی الظالم رجوت ان لا تکون
 ممن احتجب عن حوائج رعیتہ لعلک لا تجلس الا بجلوسا او مجلسین حتی یسیر
 ذلک فی الامصار والمدن فیخاف الظالم و قونک علی ظلمہ مع انہ متی علم العما
 والاکلاہ انک تجلس للنظر فی امور الناس یوما فی السنۃ لیس یوما فی الشہر تہا
 باذن اللہ عن الظلم"

"یعنی اگر اے امیر المومنین تو خدا کا قریب اس طرح حاصل کرتا کہ رعایا کی فریاد سننے کے لئے مہینہ میں
 بلکہ دو مہینہ میں ایک اجلاس بھی کرتا جیسے تو مظلوم کی فریاد سننا اور ظالم سے باز پرس کرتا تو مجھ کو امیر تھی
 کہ تیرا شمار ان لوگوں میں نہ ہوتا جو رعایا کی حاجتیں نہیں سنتے، اور غائباً تو دو ایک ہی اجلاس کر گیا کہ

میں یہ چرچا پھیل جائیگا، پس ظالم کو ڈر پیدا ہوگا کہ اس کے ظلم کی تجھ کو خبر نہ ہو جائے، اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جب عاملوں اور عہدہ داروں کو یہ معلوم ہو جائیگا کہ تو برس دن میں ایک بار بھی لوگوں کی حاجت روائی کے لئے اجلاس کرتا ہے، تو وہ لوگ انتشارِ اندِ ظلم سے باز رہیں گے۔

کوٹن تھا کہ جس کے عہد میں اکثر واقعہ نویس عاملوں سے سازشیں رکھتے تھے، اور بالکل جھوٹ اور فساد انگیز خبریں ہارون الرشید کو لکھتے تھے، جس کی وجہ سے قاضی ابویوسف نے مجبور ہو کر کتاب خارج میں اس کا ذکر کیا؟ کوٹن تھا جس کے عہد میں ملک کی تباہی کا یہ حال تھا کہ سوا دس کے علاقہ میں حضرت عمرؓ نے جو خیف جمع مقرر کی تھی رعایا اس کو بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی، اور آخر قاضی ابویوسف صاحب کو وہ مقدار جمع گھا کر اس کی توجیہ کرنی پڑی؟ کوٹن تھا جس کا خزانہ اس طرح مہمو کیا جاتا تھا کہ جب کسی پر کچھ شبہ ہوتا تو اس کا کل مال و متاع ضبط ہو کر خزانہ شاہی میں داخل کر دیا گیا، علی بن عیسیٰ سے دس کروڑ درہم چھین کر جو خزانہ میں داخل کئے گئے، کیا جائز حق سے لئے گئے؟ کوٹن تھا جس نے اسلام میں یہ نئی بدعت ایجاد کی کہ خلافت کے چند ٹکڑے کئے اور اپنے بیٹوں میں اس کو موروثی جائیداد کی طرح تقسیم کیا؟

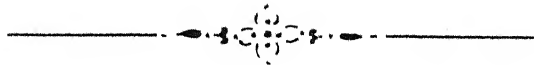
کیا ان باتوں کے ہم پلہ مامون کی تاریخ میں بھی مل سکتی ہیں؟ افسوس ہے کہ نہ لوگوں کو تمام حالات سے اطلاع نہ واقعات کے موازنہ کرنے کی قابلیت، یہ امور جو میں نے لکھے شاید لوگوں کو چھپتاں معلوم ہوں اور تاریخی دفاتروں میں اس کے حوالے بھی نہ ڈھونڈ سکیں، فتوحات کے محاط سے رشید کو کیا ترجیح ہے؟ مختصر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ رشید نے کوئی نیا ملک فتح نہیں کیا، لیکن مامون کے عہد میں صفیہ اور کریم کی فتوحات ہیں وہ اس کا علم ہیں علم و قابلیت کے محاط سے جانتے ہیں کہ رشید صرف ادب و فتنہ و حدیث میں کمال رکھتا تھا، لیکن مامون ان علوم کے علاوہ فنونِ حکمت کے مختلف صیغوں میں ایک حکیم تسلیم کیا جاتا تھا،

لیکن
ناکچھ ہو
مدم کراد
دن تھا
ہیں کر
راور جو
ل اسلام
ملکی عیسیٰ
اہ کوٹن
ب کیا
شہر اد
لاکھو
سید
العما
تناہوا
ہینہ
سید تھی
پچا کر

پھر میں کہتا ہوں کہ شید کی برائیاں میں نے کم گنائیں، رنج ہوتا ہے کہ سینکڑوں برس کے دیے
 فتنے آج ابھارے جائیں، خیر رشتہ جو کچھ تھا خوب تھا، ان طرفداروں سے اس کا حق مجھ پر زیادہ
 ہے، میں نے کچھ سمجھ کے اس کو نہیں لیا، المامون پر جو نکتہ چینیوں کی لگی ہیں، وہ اسی طرح تفصیل طلب
 ہیں، جس طرح رشتہ و امامون کا موازنہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اپنی اوقات کو ان فضول باتوں
 میں صرف کروں، آپ یقین فرمائیں کہ جھکوکھی بھی عام لوگوں کی تحسین سے نہ خوشی ہوئی، نہ ان کے
 اعتراض سے رنج، میں چاہتا ہوں کہ لوگ اعتراض کریں، آپ کا جی چاہے تو ان کے جواب
 کی طرف متوجہ ہوں، جھکوکھی چھوڑ دیجئے کہ ”رائل ہیروز“ کے باقی حصے پورے کروں، ۷
 رسی آنگہ بدر دمن کہ چو من خامہ گیری و حرف بنگاری

آزاد لکھنؤ

۲۲ فروری ۱۸۸۹ء



کے دیے
پر زیادہ
میں طلب
نوں باور
ان کے
جواب

اشاعت کتب قدیمہ

یہ امر مسلم ہے کہ مسلمانوں نے کسی زمانہ میں تمام علوم و فنون کو نہایت ترقی دی تھی، اور ہر فن میں اپنے خاص اجتہاد اور تحقیقات کے نتائج قلمبند کئے تھے، لیکن رفتہ رفتہ علمی مذاق کو اس قدر تنزل ہوتا گیا کہ آج جو تالیفات و تصنیفات عام طور سے رائج ہیں اکثر وہ ہیں جن میں ایجاد اور جدت کی جھلک تک نہیں پائی جاتی،

قدما کی تصنیفات جن میں ہر جگہ اجتہاد اور ذاتی تحقیقات سے کام لیا گیا ہے، عموماً متروک ہیں، حال غالب کوئی قلمی نسخہ کسی بڑے کتب خانہ میں پایا بھی جاتا ہے، تو ہر شخص کو وہاں تک دسترس نہیں، اور اس وجہ سے گویا ان کا وجود و عدم دونوں برابر ہے،

کس قدر تعجب کی بات ہے، کہ مثلاً فقہ حنفی کا تمام تر دار و مدار امام محمد کی روایات و تصنیفات پر ہے، جن کو اصطلاح فقہ میں ظاہر الروایہ کہتے ہیں، لیکن آج ان میں سے بحر جامع صغیر کے جو نہایت مختصر اور سب سے چھوٹی ٹہ ہے، ایک کتاب بھی موجود نہیں، یہاں تک کہ قسطنطنیہ اور مصر کے عظیم الشان کتب خانے بھی ان سے خالی ہیں، اسی طرح فلسفہ اور منطق میں مسلمانوں کو جن ناموروں پر تراز ہو سکتا ہے وہ یعقوب کندی، فارابی، ابن رشد ہیں، لیکن ان کے تصنیفات اس قدر نایاب ہیں کہ نہ ہونے کے برابر ہیں، قرآن مجید کے اعجاز و فصاحت و بلاغت پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے تمام ہندوستان میں ایک کتاب بھی موجود نہیں، تاہم کئی قدیم اور نادر

تصنیفات تو گویا ہمارے ملک میں سرے سے آئیں ہی نہیں، بعض قدیم کتابیں جو یورپ میں چھپی ہیں، لیکن قطع نظر ان کے گراں قیمت ہونے کے ہر شخص کو بہم نہیں پہنچ سکتیں، ان واقعات کی بنا پر مجھ کو یہ خیال آیا کہ ایک مجلس قائم کی جائے جو اس مفید اور اہم کام کو انجام دے اگرچہ حیدرآباد کی مجلس دائرۃ المعارف کا بھی یہی موضوع ہے لیکن جو تجربہ اس کے ابتدائے قیام سے اس وقت تک ہوا ہے، اس کے لحاظ سے یہ کہنا ناموزوں نہیں، کہ وہ اس دردی پوری دوا نہیں، ملک میں عربی زبان کی جو کساد بازاری ہے اس کے لحاظ سے اگرچہ یہ تجویز فی الجملہ بے محل معلوم ہوتی ہے لیکن ہر دو مسلمانوں میں سے دو چار سو ایسے شائق ضرور نکلیں گے جو معمولی قیمت پر کتاب کو خرید لیں، اور اگر اتنا بھی ہوا تو ہم اس کام کے شروع کرنے پر آمادہ ہیں، بالفعل یہ تجویز ہے کہ اس مجلس میں تین قسم کے ممبر قرار دیئے جائیں،

(۱) وہ لوگ جو عرصہ سالانہ چندہ دینا منظور فرمائیں، اور یہی لوگ اراکین مجلس قرار دیئے جائیں گے، اور ان کو امور انتظامی مجلس میں رائے دینے کا حق حاصل ہوگا اور نیز جو کتاب یا کتابیں چھاپی جائیں گی گو کہ ان کی قیمت اون کے چندہ ممبری سے زائد ہو ان کو دی جائیں گی،

(۲) وہ اہل علم جو اس کام میں اپنی رائے اور اپنی واقفیت تلاش سے امداد دیں اور اس قسم کی کتابوں کو بہم پہنچائیں، ان کو یہ حق حاصل ہوگا کہ مجلس ان کو تمام تجویزات اور حالات سے وقتاً فوقتاً مطلع کرتی رہے گی اور ایک یا دو نسخہ کتاب مطبوعہ کا ان کو تدار کرے گی،

(۳) وہ لوگ جو متی طور کریں کہ کتاب کے چھپنے پر ایک نسخہ قیمت معینہ پر خرید لیں گے ان بزرگوں کا نام ایک رجسٹر میں درج کر لیا جائے گا، اور جو کتاب چھپے گی، اس کا ایک نسخہ ان کی خدمت میں ویلوپے ایل بھیج دیا جائیگا،

یہ تبادینا بھی ضرور ہے کہ سردست جن کتابوں کا شائع کرنا پیش نظر ہے وہ پانچ روپیہ قیمت سے زیادہ کی نہیں، اس غرض کے لئے جو کتابیں اس وقت تک ہم ہم بیہوش نچا چکے ہیں، یا جو نہایت جلد ہم بیہوش نچا سکتی ہیں حسب ذیل ہیں،

اعجاز القرآن للامام باقلانی، طبقات الشعراء لابن قتیبة، مناقب الشافعی للامام الراد، مجموعہ رسائل فارابی جس میں ۱۵ رسائل شامل ہیں تلخیص المثل ابن رشد مطبوعہ یورپ، عقد لابن رشیق القیروانی، تاریخ صغیر امام بخاری،

ہم کو ملک کے تمام بزرگوں سے امید ہے کہ وہ اس تجویز کے بابت ہم سے خط و کتابت فرمائیں گے، اور ہم کو مطلع فرمائیں گے، کہ اون کو تین قسم کے ممبروں میں سے کس قسم کا ممبر ہونا منظور ہے، اور یہ کہ ان کے نزدیک کتب مذکورہ بالا میں سے اول کس کتاب کا شائع کرنا زیادہ مناسب ہے،

نیز ہم کو ملک کے نامور اخبارات خصوصاً آزاد، وکیل امت سر، الوقت، پیسہ اخبار دار السلطنت سے امید ہے کہ اس تجویز کو اپنے اخبار میں چھاپ کر ہمارے ممبروں فرمائیں گے،

از

آزاد لکھنؤ

۳۱ اپریل ۱۸۹۶ء

رہیں چھی

ن واقعات

م دئے اگرچہ

ہ قیام سے

پوری دوا

بجھلے نعل

لے جو معمولی

ہیں،

اس قرار

اور نیز جو

رہوان کو

اور اس

ور حالات

گی،

ہیں گے،

یک نسخہ

انگریزی قرآن مجید کا ترجمہ

اور

ندوة العلماء

مسلمانوں کی جس قدر مذہبی یا دنیاوی انجمنیں قائم ہیں ان کے سالانہ اجلاسوں میں اگر ہمیشہ یہ کارروائی اختیار کی جائے کہ سب سے پہلے اس بات کا محاسبہ کیا جائے کہ پچھلے سال جو تجویزیں پیش ہوئیں، ان پر کس حد تک عمل ہوا؟ اور کس قدر باقی ہے؟ تو تمام انجمنوں کی حالت سنبھل جائے، لیکن اگر کارکنان انجمن کسی حد تک الزام کے قابل ہیں، تو پبلک رجسٹر ان سے زیادہ مستحق ہے کہ کبھی اس کی طرف سے باز پرس نہیں ہوتی، ریزولیوشنوں اور تجویزوں کو دیکھا جائے تو دفتر کا دفتر تیار ہو گیا ہے، لیکن عمل کا نام لیا جائے تو انگلیسوں کے گننے کی نوبت آئے گی،

”ندوة العلماء“ کے متعلق بھی اسی قسم کے محاسبہ کی ضرورت ہے، لیکن چونکہ عام معمول کی طرح اس کی نسبت بھی پبلک کی طرف سے کوئی باز پرس نہیں کی گئی اس لئے ہم خود اس فرض کو ادا کرنا چاہتے ہیں، ہوا خواہ ان ندوہ کو اس سے متردد نہیں ہونا چاہئے، ارکان ندوہ نے اگر کچھ کیا ہے، تو ان کو داد ملے گی، اور نہیں کیا ہے تو آئندہ ان کو کرنا پڑے گا، اور یہ ستر سالہ ندوہ ہی کے فائدے کی بات ہے،

”ندوة العلماء“ کا سالانہ جلسہ بہت سروسامان سے اپریل کی ابتدائی تاریخوں میں بمقام

لکھنؤ ہونے والا ہے اس لئے ہم سب سے پہلے اس بات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ پچھلے جلسہ میں کیا کیا تجویزیں منظور ہوئی تھیں اور ان کے متعلق کیا کیا گیا، پچھلے ریزولوشن حسبِ ذیل ہیں:-

(۱) قرآن مجید کا عمدہ و مستند ترجمہ انگریزی میں، (۲) کتبِ تاریخی مروجہ مدارس کی غلطیوں کی اصلاح، (۳) وقف علی الاولاد کی تحریک، (۴) اشاعتِ اسلام کی تحریک، (۵) تمام اسلامی تحریکوں کا ایک مرکز قرار دینا، ان تجاویز کے متعلق مفصل رپورٹ تو عین سالانہ جلسہ میں پیش ہوگی اور اس سے ظاہر ہوگا کہ کس حد تک کام ہوا ہے؟ اور کس حد تک نہیں، لیکن مختصراً میں ان کے متعلق اس غرض سے بیان کرتا ہوں کہ لوگ ”مذودہ“ کے سالانہ جلسہ میں ان کارڈیوں کے متعلق ہر قسم کے مشورہ اور نکتہ چینی کے لئے تیار ہو کر آئیں، ورنہ عین وقت پر جو خیالات اور رائیں ظاہر کی جاتی ہیں، وہ سرسری اور دفع الوقتی ہوتی ہیں،

(پہلا ریزولوشن)

قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ درحقیقت ایک نہایت ضروری کام ہے، یورپ کی زبانوں میں قرآن مجید کے کثرت سے ترجمے موجود ہیں، اور جدید تعلیم یافتہ ان ہی کو پڑھتے ہیں، ان ترجموں میں سخت غلطیاں ہیں، اس کے علاوہ ترجموں نے اکثر جگہ حاشیہ میں اپنی طرف سے جو کچھ لکھا ہے اس میں علانیہ قرآن مجید پر نکتہ چینیاں ہیں، مثلاً جہاں قرآن مجید میں یہ ذکر ہے کہ یہودی حضرت عزیر کو خدا کہتے تھے، اس جگہ حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہودیوں پر ایک افسوسناک تہمت ہے۔

ان اسباب سے ضرور تھا کہ انگریزی زبان میں ایک صحیح اور مکمل ترجمہ کیا جاتا، ”مذودہ“ کے سالانہ جلسہ میں یہ تحریک پیش ہو کر منظور ہوئی، اور خوش قسمتی سے سردار اسماعیل خاں سیف کا بل

میں اگر
مال جو
س کی حالت
رجعت
وں اور
لیون

معمول
خود اس
ان مذودہ
ریہ مترجم

بمقام

نے اس غرض کے لئے پانچزار روپیہ دینے کا وعدہ کیا ترجمہ کے لئے سب سے ضروری امر یہ تھا کہ وہ شخص انتخاب کیا جائے جو اعلیٰ درجہ کی انگریزی لکھ سکتا ہو، اور عربی زبان سے بھی اچھی طرح واقف ہو، مسلمانوں میں انگریزی کا انشا پر داز آج نواب سید حسین صاحب بلگرامی سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے، اس کے ساتھ وہ عربی بھی اس قدر جانتے ہیں کہ تفسیروں سے کافی مدد لے سکتے ہیں، اس لئے ان سے درخواست کی گئی، انھوں نے ”سورہ بقرہ“ کا ترجمہ کئی برس قبل کیا تھا، اس درخواست سے ان کو مزید تحریک ہوئی، اور انھوں نے لکھا کہ میں دو برس میں پورے قرآن مجید کا ترجمہ کر دوں گا، ان کے الفاظ یہ ہیں:-

”انشاء اللہ زندگی باقی ہے تو دو سال کے اندر ختم ہو جائیگا، سورہ بقرہ“ تمام اور

”آل عمران“ کا معتد بہ حصہ ختم ہو چکا ہے“ (مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۱۷ء)

نواب صاحب جس احتیاط اور پابندی کے ساتھ ترجمہ کر رہے ہیں، اور جو خصوصیتیں انھوں نے پیش نظر رکھی ہیں، ان کا اندازہ ان کے ایک خط کے اقتباس سے ہو گا، جس کو میں ذیل میں نقل کرتا ہوں،

”راڈول کا ترجمہ سب سے بہتر ہے، مگر پھر بھی ایک نصرانی پادری کا ترجمہ ہے، میں اپنے ترجمے میں چند خصوصیتوں کا التزام کیا ہے، ایک یہ کہ عبارت میں روانی ایسی ہو کہ پڑھنے میں لطف آئے، دوسرے یہ کہ تفسیر کی بوجھی نہ پائی جائے، ترجمہ بلفظ ہو، تیسرے یہ کہ رشاقہٴ الفاظ و ہمواری اصوات کا لحاظ رہے، کو گہ یہ مداول سے متعلق ہے ترجمہ کی حالت یہ ہے کہ جب تک تین چار پانچ مرتبہ نظر ثانی نہیں ہوتی، تشفی نہیں ہوتی، یہ ایک مشروبات ہے، اور ہر شخص کے نزدیک مسلم ہے، کہ توراہ اور انجیل کے قدیم انگریزی ترجمے کے برابر کوئی کتاب بحیثیت ادب و انشا انگریزی زبان میں نہیں ہے جہاں تک

ممکن ہے اس کی تقلید کی جاتی ہے

لیکن چونکہ مقصود یہ تھا کہ یہ ترجمہ کسی ایک شخص کی ذاتی قابلیت تک محدود نہ ہو، اس لئے اور لائق اور قابل لوگوں کی تلاش ہوئی، جو انگریزی اور عربی دونوں جانتے ہیں، سخت افسوس ہے کہ علماء کے گروہ میں تو ایک شخص بھی نہ ملا جو انگریزی جانتا ہو، اس لئے دائرہ تلاش وسیع کرنا پڑا۔ اس قسم کا جامع شخص ہندوستان میں کوئی شخص مولوی حمید الدین صاحب پروفیسر عربی بیو کالج سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا، انھوں نے قدیم طریقہ پر عربی کی تعلیم پائی ہے، اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری کے شاگرد و رشید ہیں، انگریزی میں بی اے پاس ہیں، چنانچہ ان کو لکھا گیا، اور انھوں نے نہایت خلوص سے اس کام میں شرکت منظور کی، نواب عماد الملک کا ترجمہ ”سورہ بقرہ“ ان کے پاس جب بھیجا گیا تو انھوں نے نمونہ کے طور پر صرف ”سورہ الحمد“ کے ترجمہ پر ایک مفصل مدققانہ یادداشت لکھی، نواب عماد الملک، مولوی حمید الدین کی قابلیت سے پہلے سے واقف تھے، انھوں نے ایک خط میں مجھ کو لکھا،

”مولوی حمید الدین صاحب کی تحریر کو میں بہت عزت کی نظر سے دیکھوں گا، اور

جہاں تک ممکن ہو گا اس کی نظر سے اصلاح کروں گا“

اس تحریر سے نواب صاحب کی بے نفسی اور انصاف پسندی کا بھی اندازہ ہوتا ہو کہ ہر حال مولوی صاحب موصوف کی یادداشت نواب عماد الملک کے پاس بھیجی گئی، انھوں نے جواب میں لکھا:

”مولوی حمید الدین صاحب کا نوٹ بھی ”سورہ الحمد“ پر ملا، میں ان کے نکات کی

جہاں تک ممکن ہو گا پابندی کروں گا“ (مورخہ ۳ نومبر ۱۹۱۷ء)

نواب صاحب کی اعتباط اور ذمہ داری کا یہ حال ہے کہ میں نے اون کو ایک خط

ی امر یہ تھا کہ
بھی طرح وقت
رہ کر کوئی نہیں
تے ہیں، اس لئے
رخواست سے
ترجمہ کر دوں گا

ور

خصوصیتیں
ہو گا جس کو

بے

و کہ

یہ

ترجمہ

تی

لمری

تک

لکھا کہ ترجمہ کے علاوہ آپ کو ایک دیباچہ بھی لکھنا چاہئے، جس میں تفسیر کے اصول اور قرآن مجید
مہات مضامین سے بحث ہو، اس کے جواب میں انھوں نے مجھے لکھا،

”ایک الگ کتاب بطور مقدمہ کے لکھی جائے، تو نہایت مناسب ہوگا، لیکن

لکھے گا کون؟ میں کبھی اس قسم کی جرأت نہیں کر سکتا۔“

غرض نہایت احتیاط کے ساتھ نواب صاحب موصوف ترجمہ کر رہے ہیں، ان کے
ولایت چلے جانے کی وجہ سے چھ مہینے کام ملتوی رہا، تاہم اس دفعہ دربار دہلی کے موقع پر
انھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ چھ سو رتوں یعنی تقریباً نو پاروں کا ترجمہ ہو گیا ہے، ان میں سے
پانچ پاروں کا ترجمہ چھپ بھی گیا ہے، اور میرے پاس آ گیا ہے،

نواب صاحب تنہا کام کر رہے ہیں، ان کے پاس کوئی مددگار، بلکہ محرر تک نہیں ہو،
اس لئے کام دیر میں ہو رہا ہے، میں نے ان سے درخواست کی کہ کوئی مددگار ان کے پاس
بھیجا جائے، اور اس کی تنخواہ یہاں سے دی جائے، نواب صاحب نے اپنے علوئے ہمت کی
وجہ سے منظور نہیں کیا لیکن ایسا کرنا ضروری ہے، ورنہ کام میں سخت ہرج ہوگا، اور نواب صاحب
کو مجبور کرنا چاہئے کہ وہ اس کو قبول کریں،

مسلم گزٹ لکھنؤ

۵ فروری ۱۹۱۲ء

مجلس علم کلام

مسلمانوں کے گزشتہ اور موجودہ زمانہ میں عجیب قسم کا تار و تاشا یہ ہے، جہاں یوں کے زمانہ میں جب فلسفہ اور علوم عقلیہ کا رواج ہوا، تو سینکڑوں ہزاروں اشخاص کے مذہبی عقائد متزلزل ہو گئے، آج بھی جبکہ یورپ کی تحقیقات اور خیالات قوم میں پھیل رہے ہیں، مذہبی عقائد میں ایک بہو نچال سا آگیا ہے،

گزشتہ زمانہ میں جب یہ حالت پیدا ہوئی، تو فقہاء اور محدثین نے یہ فتوے دیا کہ فلسفہ کا پڑھنا پڑھنا حرام ہے، آج بھی مذہبی علماء یورپ کے فلسفہ و سائنس کا سیکھنا برا سمجھتے ہیں اور علماء کے کثیر التعداد گروہ میں سے ایک شخص نے بھی یورپ کی کوئی زبان نہیں سیکھی، جس کے ذریعہ سے وہ فلسفہ مال سے واقف ہو سکتے،

لیکن فقہاء اور محدثین کا فتویٰ نہ چل سکا، ہزاروں آدمیوں نے یونانی فلسفہ پڑھا اور پڑھایا، یہاں تک کہ فلسفہ کی تعلیم عام ہو گئی، آج بھی باوجود علماء کی روک ٹوک کے انگریزی تعلیم عام ہو رہی ہے اور یہ سیلاب کسی کے روکے سے رُک نہیں سکتا،

قدیم زمانہ میں فقہاء و محدثین نے گو فلسفہ کا پڑھنا اور علم کلام کا مرتب کرنا ناجائز قرار دیا لیکن ایک گروہ پیدا ہوا، جس نے علم کلام پر توجہ کی، اور اس فن میں کتابیں لکھیں، یہ لوگ خود فلسفہ داں نہ تھے، لوگوں سے فلسفہ کے خیالات سن لئے تھے، اور ان ہی پر تصنیف کا

ان کے
واقع پر
میں سے

میں ہو
پاس
ہمت کی
نواب صاحب

۱۹۱

دار مدار رکھا تھا،

امام اشعری، ماتریدی، امام اشعرین، باقلانی جو علم کلام کے بانی سمجھے جاتے ہیں، ان میں ایک بھی فلسفہ داں نہ تھا، آج بھی یہی حال ہے مصر و ہندوستان میں نہایت قابل اور لائق بزرگوں نے جدید خیالات اور مسائل کے رد میں کتابیں لکھیں، اور ان کی تصنیفات جدید علم کلام کی حیثیت سے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں، لیکن ان میں ایک بھی یورپ کی کوئی زبان نہیں جانتا، اور لطف یہ ہے کہ جو یورپ کی زبان جانتے ہیں، وہ بھی ان ہی بزرگوں کی تصنیفات کے پیرو ہیں،

یہاں تک تو قدیم و جدید واقعات میں تشابہ اور اشتراک ہے، لیکن اب دونوں کی حدیں جدا ہوتی ہیں، قدیم زمانہ میں امام غزالی کے بعد علمائے نہایت جدوجہد سے فلسفہ کی تحصیل شروع کی، چنانچہ امام رازی، محقق طوسی، شیخ الاشراق وغیرہ فلسفہ میں اس رتبہ پر پہنچے کہ خود فلسفہ دانوں کو یہ مرتبہ حاصل نہ تھا، لیکن آج علماء میں سے ایک شخص بھی ایسا موجود نہیں جس نے یورپ کا فلسفہ اور سائنس حاصل کیا ہو،

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جدید علم کلام بالکل نامکمل اور ناقص ہو، اور اگرچہ اس کا پورا علاج تو اس وقت ہو سکتا ہے جب ہمارے علماء خود یورپ کے علوم و فنون میں کمال پیدا کر لیں، لیکن چونکہ اس میں ابھی دیر نظر آتی ہے، اس لئے اس وقت جو تدبیر اختیار کی جا سکتی ہو، وہ یہ ہے کہ ایک کمیٹی قائم کی جائے جس کا نام مجلس علم کلام ہو،

اس کمیٹی میں قدیم علماء اور جدید تعلیمیافتہ دونوں گروہ کے لوگ ممبر ہوں، قدیم علماء اس بات کا فیصلہ کریں گے کہ جو عقائد اور مسائل فلسفہ کے خلاف بیان کئے جاتے ہیں، ان میں سے کون سے مسائل درحقیقت اسلام کے اصل عقائد ہیں، اور کون سے نہیں، جدید تعلیم یافتہ

گروہ اس بات کا فیصلہ کر سکے گا، کہ جن چیزوں کو فلسفہ کے مخالف کہا جاتا ہو وہ درحقیقت فلسفہ کے مخالف ہیں بھی یا نہیں، اور اگر ہیں تو فلسفہ کی تحقیقات کہاں تک یقینی اور قطعی ہے اس کٹی کے لئے بزرگانِ ذیل انتخاب ہو سکتے ہیں:-

(۱) مولوی مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی (۲) مولانا مولوی شیر علی صاحب حیدر آباد سابق مہتمم دارالعلوم ندوۃ (۳) سید محمد رشید رضا صاحب مصری ایڈیٹر المنار، (جس کی تعلیم یافتہ) (۱) ڈاکٹر محمد اقبال صاحب بیرسٹر (۲) مولوی حمید الدین صاحب عربی پروفیسر نیوٹرٹی الہ آباد (۳) مولوی عبدالقادر صاحب بنی لے، بھاگلپوری، ہم کو خوشی ہے کہ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے اس مجلس کی ممبری منظور کر لی ہے، او صاحبوں نے ابھی خط کا جواب نہیں دیا، لیکن امید ہے کہ کسی کو اس عمدہ کام کی شرکت سے انکار نہ ہوگا،

ہم چاہتے ہیں کہ ملک کے اور حضرات جن کو اس تجویز سے دلچسپی ہو ہم سے خط و کتابت کریں، جلسہ سالانہ ندوۃ العلماء میں یہ تجویز پیش کیا جائے گی، اور جو فیصلہ ہوگا، اس کے مطابق عمل کیا جائے گا،

مسلم گزٹ کھنؤ

۴ مارچ ۱۹۱۲ء

ان میں ایک اور لائق

تجدید بیان نہیں مینفات

دونوں کی فلسفہ کی پرہیزگاری جو نہیں

بداعلاج راکر لیں ہجو وہ

معلم اس ان میں تعلیم یافتہ

ایک ہم تجویز

خدا کا شکر ہے کہ ملک میں تصنیف و تالیف کا مذاق پھیلتا جاتا ہے، اور قابلِ قدر اربابِ کرم پیدا ہوتے جاتے ہیں، لیکن بایں ہمہ اس گروہ میں زیادہ تعداد اون لوگوں کی ہے جن کو مصنف کے بجائے مضمون نگار یا انشا پرداز کہتا زیادہ موزوں ہوگا، کیونکہ ان کی مستقل تصنیفیں نہیں ہیں بلکہ معمولی رسالے یا مضامین ہیں،

اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کو اعلیٰ درجہ کی تصنیف کی قابلیت نہیں، بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ اعلیٰ درجہ کی تصنیف کے لئے جو سامان درکار ہے وہ میسر نہیں ہے، ان میں سے اکثر کے پاس کتابوں کا ذخیرہ نہیں، جو انتخاب اور استنباط اور اقتباس کے کام آئے، اتفاق سے اگر کوئی مقامی کتب خانہ موجود ہے تو دیکھ بھی کے اسباب نہیں کہ اطمینان سے چند روز وہاں رہ کر کتابوں کا مطالعہ اور اس سے استفادہ اور نقل و انتخاب کر سکیں، ان باتوں کے ساتھ کوئی علمی مجلہ بھی نہیں کہ ایک دوسرے سے مشورہ اور تبادلہ خیالات ہو سکے،

ان مشکلات کے حل اور تصنیف و تالیف کی ترقی کے لئے ضرور ہے کہ ایک وسیع ”دارالتصنیف“ امور ذیل کے موافق قائم کیا جائے :-

(۱) ایک عمدہ عمارت ”دارالتصنیف“ کے نام سے قائم کی جائے، جس میں ایک وسیع ہال کتب خانہ کے لئے ہو، اور جس کے حوالی میں ان لوگوں کے قیام کے لئے

کمرے ہوں، جو یہاں رہ کر کتب خانہ سے فائدہ اٹھانا اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہنا چاہتے ہوں،

(۲) یہ کمرے خوبصورت اور خوش وضع ہوں، اور ان مشہور مصنفین کے نام سے موسوم ہوں، جو تصنیف کی کسی خاص شاخ کے موجد اور بانی فن ہوں،

(۳) ایک عمدہ کتب خانہ فراہم کیا جائے، جس میں کثرت تعداد ہی پر نظر نہ ہو بلکہ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ جس فن کی کتاب ہو، نادر اور کیا ہو،

(۴) تصنیفی وظائف قائم کئے جائیں، اور وظیفہ عطا کنندہ کے نام سے موسوم کیا جائے، یہ وظائف یا ماہوار ہوں گے یا کسی تصنیف و تالیف کے صلہ کے طور پر دیئے جائیں گے،

(۵) جو لوگ کم از کم پانچ سو روپیہ یکمشت عطا فرمائیں گے انکے نام اس عمارت پر کندہ کئے جائیں گے، میں یہ تجویز بالکل ایک سرسری صورت میں پیش کرتا ہوں، اور چاہتا ہوں کہ سرت محض ایک خاکہ کے طور پر اس کی بنیاد قائم ہو جائے، جو رفتہ رفتہ خود بخود وسعت حاصل کرتی جائے، اس بات کا مجھ کو اطمینان ہے کہ ریاستہائے اسلامی سے اس کے لئے ماہوار مقرر ہو سکیں گی، سر دست ہر صوفی ہزار روپیہ درکار ہے جس سے ایک مختصر تعمیر کی بنیاد ڈال دی جائے، اصل فنڈ کے لئے پچاس ہزار روپیہ کا تخمینہ کیا گیا ہے،

(۶) دس ہزار کی رقم میں، میں سر دست ایک ہزار اپنا پیش کرتا ہوں، اور میں اس بات کا بھی مستعدی ہوں کہ جن بزرگوں کو میری تجویز سے دلچسپی ہو، مجھ سے خط و کتابت فرمائیں اور مناسب مشورہ سے میری ہمت افزائی کریں، نیز ایدہ ایمان بہمدرد، وطن، پیلیہ خارا، مشرق البشیر، وکیل وغیرہ سے درخواست ہے کہ اس تجویز کو اپنے اپنے اخبار میں شائع فرمائیں فقط

(الہلال، ۱۱ فروری ۱۹۱۴ء)

قابل قدر
ہے
کی مستقل

مل وجہ
سے اکثر
ق سے
زود ہاں
کے ساتھ

ہ ایک

ایک
کے لئے

اثبات واجب الوجود

مصنفہ

مولوی مفتی انوار الحق صاحب طبری صنیعہ تعلیماریا بھوپال

اردو زبان میں تصنیفات کے انبار کی کیا کمی ہے جس کثرت سے دواؤں کے اشتہارات شائع ہوتے ہیں اسی کے قریب قریب تالیفات اور تصنیفات کا شمار بھی پہنچ جاتا ہے لیکن ان میں سے ہاتھ سے چھونے کے قابل کتنی ہیں؟ اس کا جواب ایک صحیح مذاق سے مانگنا چاہئے جس میں اخلاقی دلیری بھی ہو، اس عالم میں سالوں کے بعد کچھ اوراق پڑھنے کے قابل ہاتھ آجائے ہیں تو آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ کس قدر خوشی ہوتی ہے، ان ہی اتفاقیہ اور شانہ منالوں کی مختصر فہرست میں یہ رسالہ بھی ہے جو اس مضمون کا عنوان ہو،

نئے بگڑے ہوؤں کو تو یورپ کے تمام ذخیرہ تحقیقات میں اتحاد ہی اتحاد نظر آتا ہے، الجنس (الی الجنس) میں، لیکن حق یہ ہے کہ ایک نقاد طالب حق کے لئے خدا پرستی کا سامان بھی جس قدر یورپ میں مل سکتا ہے، موجودہ ایشیا میں نہیں مل سکتا، یہ ظاہر ہے کہ یورپ میں اب بھی بہت سے علماء اور محققین خدا کے وجود کے قائل ہیں، لیکن چونکہ یورپ میں ہر چیز پر جدت کا رنگ ہے، اس لئے خدا کے ثبوت اور وجود کے جو دلائل وہ بیان کرتے ہیں ان سے

فحمت الصورت ہیں، جو ایک مدت سے ہم سنتے آتے ہیں، اس لئے اگر ان کو اردو زبان میں درج کیا جاتا تو قوم کے نئے مذاق کے لئے نہایت مفید اور کارگر ہوتے، لیکن اتنی توفیق کس کو ہو، ہم مولوی انوار الحق صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انھوں نے نہایت ضروری خدمت انجام دی، ہم ان کی قابلیت کے بھی بے انتہا معترف ہیں، کہ انھوں نے دقیق اور پیچیدہ باتوں کو اس خوبی سے ادا کیا ہے کہ کتاب کتاب نہیں بلکہ دس پچپ افسانہ بن گئی،

مولوی صاحب موصوف، مولانا عبد اللہ ٹوکی پروفیسر یونیورسٹی لاہور کے صاحبزادے ہیں، (وہ زمانہ یاد آگیا جب ہم اور مولانا نے محمود علی صاحب تھ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پور کے خزان فیض سے خوشہ چینی کرتے تھے)، مولانا نے اپنی علمی شان کی پاسداری میں اردو زبان کی کوئی خدمت نہیں کی تھی، لیکن کچھ مضائقہ نہیں، رع اگر پدر نتواند سپر تمام کند، مولوی انوار الحق صاحب عربی اور انگریزی دونوں کے جامع ہیں، اور یہی جامعیت ہے جس نے ان سے ایسا مفید کام انجام دلایا،

اس کتاب کی قیمت ایک روپیہ ہے، اور خود مصنف سے مل سکتی ہے،

(الندوہ، جلد نمبر ۹)

۱۳۳۸ھ
ستمبر ۱۹۱۰ء مطابق رمضان

ار
لیکن
لتا جائے
آجائے
یت
صرف

ہے
امان
یہ
نہ

ندوۃ العلماء کا گیارہواں سالانہ اجلاس،

بنارس میں۔

اور

علمی نمائش

ہندوستان آج کل جن افکار اور خیالات میں محیط ہو رہا ہے، ان کو دیکھتے ہوئے اس امر کی توقع رکھنی کہ قوم کے قدیم علمی زرو جو اہر کسی دن خود بخود چمک اٹھیں گے، بالکل ایسی بات ہے، جیسے قرون وسطیٰ میں صنوبر غیر مرنی کے انکشاف کی توقع، قوم کا قدیم علمی سرمایہ بہت کچھ برباد ہو چکا ہے، اور جس قدر باقی ہے وہ بھی غمگین قوم کی بد مذاقی پر قربان ہو گیا ہے، اگر کسی قومی قوت کے مضبوط ہاتھوں نے ان کو اپنی حفاظت کا سہارا نہیں دیا، ندوۃ العلماء اپنے دل و دماغ میں جن مقاصد کو مدت سے چھپائے ہوئے ہے، اور جو بدستی سے اس وقت تک علمی پیرایہ سے محروم رہے، ان میں ایک اہم مقصد قدیم علمی سرمایہ کی حفاظت بھی ہے، یہ سچ ہے کہ آج ہر طرف عربی اور فارسی لٹریچر کی کساد بازاری نظر آتی ہے، اور قدیم لٹریچر مذاق مغربی تہذیب میں جذب ہو رہا ہے، مگر پھر بھی ہندوستان میں ایک چھوٹی سی جماعت موجود ہے جو قدیم سوسائٹی کے اثرات کا نتیجہ ہے، اور اس لئے قدیم علمی مذاق سے نا آشنا نہیں ہے، اگر ندوۃ العلماء کا یہ اہم مقصد علمی دائرے میں قدم رکھے، تو یقیناً یہ جانت

خیر مقدم کے لئے تیار ہو جائیگی،

ندوۃ العلماء بھی خود ابتدائی حالت میں ہے، موجودہ حالت کو ایک خواب سمجھنا چاہئے جس کی تعبیر کو خوش آئند ہے، مگر قوم کی توجہ کی محتاج، اور قوم کی امداد پر مشروط ہے، اس لئے درحقیقت ندوۃ العلماء اپنے تمام مقاصد کو ذہنی دنیا میں محدود رکھنے پر ایک حد تک معذور بھی ہے، مگر پھر بھی اس کی اصلی کوشش یہ ہے کہ حتی الامکان اپنے تمام ارادوں کا ایک مجمل نمونہ قوم کے سامنے پیش کر دے، اور زبان حال سے بتلا دے کہ میری طاقت میں یہاں تک عملی کام کی کوشش ممکن تھی مقاصد کی عمدگی دکھلا دی، ان کا عملی نمونہ بھی پیش کر دیا، نمونہ کی خوبیاں بھی ظاہر ہیں، اب قوم کا فرض ہے کہ یا تو کام کی عمدگی کا عملی اقرار کرے، یا قوم کی علمی ترقی کا دلفریب خواب ہمیشہ کے لئے دل سے بھلا دے،

بنارس کا آئندہ اجلاس درحقیقت اسی خیال کا نتیجہ ہے، ندوۃ العلماء اس جلسہ میں اپنے اور مقاصد کے ساتھ اس اہم مقصد کے متعلق بھی ایک عملی نمونہ پیش کرنا چاہتا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ،

قوم کے قدیم علمی سرمایہ کی حفاظت کی جائے،

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اجلاس کے ساتھ ایک علمی نمائش کا انتظام کیا گیا ہے جو اپنی نوعیت اور طریق نمائش کے لحاظ سے ہندوستان میں بالکل ایک نئی قسم کی نمائش ہے، اس نمائش کا مقصد یہ نہیں ہے کہ قوم کو ہندوستانی تجارت کا ایک منظر دکھلا دیا جائے، یا ہندوستانی صنعت و حرفت کا ایک مینا بازار لگا دیا جائے، یہ کام ضروری ہیں، اور اس کو قوم کے اور دانشمند افراد انجام دے رہے ہیں، ندوۃ العلماء کا کام قوم کی علمی اور مذہبی سرمایہ کی حفاظت، اشاعت، اور ترقی ہے، اس لئے وہ ایک محض علمی نمائش کا انتظام

ہوئے
ایسی
رہا یہ
نمونہ
دیا،
مستحق
کی حفاظت
اور
ایک
م علمی
عزت

کرنا چاہتا ہے، سالانہ اجلاس کی کوشش دور دراز مقامات سے جن لوگوں کو کشتاں کشتاں پہنچ جائیگی
ان کی ضیافت کے لئے مذوۃ العلما نے ایک علمی دعوت کا اہتمام کیا ہے، امید ہے کہ یہ خوشگ
نتیجہ خیر دعوت قوم کے علم دوست افراد کو محفوظ اور سرور کرے گی،
نمایش کے مقاصد | اس نمایش کے اصلی مقاصد یہ ہیں،

(۱) عربی اور فارسی کی جو نادر الوجود قلمی کتابیں خاص خاص خاندانوں، کتب فروشوں، پرائیوٹ
کتب خانوں میں محفوظ ہیں، اور جنہیں قوم کے قدیم علمی کارنامے مدفون ہیں، ان کا اجتماعی منظر قوم
کے پیش نظر کر دیا جائے،

(۲) قدیم شاہی فرامین جو مسلمانوں کی قدیم تہذیب اور انشا پر داری کی یادگار
ہیں، اور نہایت بے دردی سے شخصی حفاظت میں برباد ہو رہے ہیں، ان کو ایک خاص ترتیب سے
جمع کیا جائے، اور ان سے کارآمد نتائج پیدا کئے جائیں،

(۳) اہم ترین مقصد یہ ہے کہ عربی اور فارسی لٹریچر کی خاص خاص شاخوں کی تاریخ
مرتب کی جائے، اور اس مقصد کے لحاظ سے ان شاخوں کی تمام موجود کتابیں جمع کی جائیں اور
ان کو اس ترتیب سے یکے بعد دیگرے رکھا جائے، کہ بیک نظر عمدہ لہجہ کی تبدیلیاں اور ترقی
معلوم ہو جائیں، اور بغیر کسی غیر معمولی کوشش کے معلوم ہو جائے کہ ابتدا میں اس فن کی کیا حالت
تھی، پھر اس کے بعد کس قسم کی تبدیلی ہوئی، کیا کیا اضافے ہوئے اور موجودہ حالت میں اور اصلی
حالت میں کیا فرق ہے؟ (اس مقصد کی تفصیل آگے آئے گی)

عملی کام | آئندہ اجلاس میں ان مقاصد کے لحاظ سے اشیائے ذیل کی نمایش کا انتظام کیا گیا ہو،
(۱) عربی اور فارسی کی وہ قلمی کتابیں جمع کی جائیں گی جنہیں ذیل کی خصوصیات میں سے
کوئی خصوصیت موجود ہو،

(الف) عنوان یا مضمون کے لحاظ سے جو کتابیں قابلِ قدر ہیں اور اس وقت تک حلیہ طبع سے محروم رہیں،

(ب) قدامت کے لحاظ سے جو کتابیں تاریخی اہمیت رکھتی ہیں، جن کو تصنیف کئے ہوئے یا لکھے ہوئے ایک بڑا زمانہ گزر گیا ہے، اور اس بنا پر کسی گذشتہ زمانے کی طرزِ تحریر، یا طرزِ کتابت کا نمونہ ہیں،

(ج) خود مصنف یا مصنف کے شاگرد یا مصنف سے قریب تر زمانہ کی لکھی ہوئی ہیں اور اس بنا پر صحت اور استناد کے لحاظ سے قابلِ غائب ہیں،

(د) حسنِ خط کے لحاظ سے جو کتابیں قدیم مصوری اور زرنگار گلکاری کا نمونہ ہیں یا خط کی عمدگی اور حسن کے لحاظ سے بے نظیر ہیں،

(ه) کسی خاص مشہور خوشنویس اور استاد کتابت کے قلم سے لکھی ہوئی کتابیں یا حصّہ بے بہا جیسے یا قوتِ مستقیم کا کھانا ہو آفرانِ شریف،

(۲) شاہانِ تیموریہ کے وہ فرامینِ جمع کئے جائیں، جو روز بروز صفحہ روزگار سے مٹ رہے ہیں، اور جن کے دیکھنے سے قدیم شاہی کائناتوں کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے،

(۳) استادانِ فن کتابت اور خوش نویسانِ قدیم کے لکھے ہوئے یادگار قطعے طغریٰ اور و صلیباں جمع کیجائیں گی، جو قدیم فنِ خطاطی کا بہترین نمونہ ہونے کے ساتھ فنِ خطاطی پر نتیجہ خیز روشنی ڈالتی ہیں،

(۴) مطلقاً اور مذہب مرتفع فرام کئے جائیں گے، جو تدریسِ فنِ مصوری کی زندہ یادگاریں ہیں،

عربی

نہایت

دکھا

تاریخ

او

قیل

الت

اصلی

بہار

سے

فنِ بلاغت اور فارسی شاعری کی تاریخ | یہ تمام سامان مقصد نمبر (۱) اور (۲) سے تعلق رکھتا ہے مگر
مسلمانوں کے قدیم علمی ترقیات کی نمائش | اس علمی نمائش کا اہم اور قابل دید حصہ وہ ہوگا جو مقصد نمبر (۳)

کا علمی گرا بتدائی نمونہ ہوگا، درحقیقت نمائش کا یہ حصہ مسلمانوں کی علمی ترقیات کا ایک ایسا صاف خاک

اور روشن نمونہ پیش نظر کر دیکھا جسکی اہمیت اور نوعیت کو دیکھتے ہوئے اس حصہ کو علمی نمائش سے موسوم

کرنا بالکل صحیح اور بیان واقعہ ہے مقصد نمبر (۳) کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے گذشتہ علمی کارنامے

اور ترقیوں کی بغیر کئی تفصیل، استدلال، استخراج نتائج اور تحریک کے محض کتابوں کی منظم اور مرتب صورت

سے ایک مکمل تاریخ پیش کرنے، آئندہ نمائش میں صرف فنِ بلاغت اور فارسی شاعری کو

اس غرض سے انتخاب کیا ہے جن کے متعلق اس قدر ذخیرہ موجود ہے کہ ایک مکمل تاریخ پیش کر دیا جائے

فارسی شاعری کی تاریخ | چنانچہ فارسی شاعری کی ابتدا سے لے کر موجودہ دور تک کی مکمل تاریخ محض

اور اس کی نمائش | کتابوں کی ترتیب سے دکھلائی جائے گی فارسی شاعری نے سات سو برس

میں سینکڑوں رنگ بدلتے ہیں، اور ہر زمانے میں ایک خاص لباس میں جلوہ گر ہوئی ہے، ابتدا

عہد کے جو نمونے موجود ہیں، اگر ان کو موجودہ زمانہ کی شاعری سے ملایا جائے، تو عظیم الشان

اختلاف محسوس ہوتا ہو، لیکن تمام آنکھیں اس اختلاف کو محسوس نہیں کر سکتیں، فکر صائب اور

مذاق صحیح کی ضرورت ہو، مگر آئندہ نمائش ہر عہد کی شاعری کے نمونے ایک خاص ترتیب سے

رکھ کر دیکھنے والوں کو بتلا دے گی، کہ فارسی شاعری کی ابتدا میں کیا حالت تھی؟ پھر کس صورت

میں جلوہ گر ہوئی؟ کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں؟ کیا کیا اضافے ہوئے،؟ اور اب کس لباس میں جلوہ

ہے؟ نمائش کے اس حصے کے متعلق ایک مبسوط لیکچر اس تاریخ کی تمام باریکیاں آئینہ کر دے گا

اور شکر کا سہلہ جب اپنے اپنے مقاموں پر واپس جائیں گے تو ان کا پیانہ دماغ فارسی

شاعری کی تحقیق تاریخ اور فلسفہ شاعری کے دقیق رموز سے برہنہ ہوگا،

اسی طرح فنِ بلاغت کی وہ تمام کتابیں تاریخی ترتیب سے رکھی جائیں گی جن سے اس فن کا کوئی نیا دور شروع ہوتا ہے،

آخر میں ہم اُن حضرات کو اس نمائش پر توجہ دلاتے ہیں، جن کے پاس قلمی کتابوں، قطعوں، و صلیوں اور فرامین کا ذخیرہ موجود ہے، اور وہ علم دوست اور فیاض طبع اشخاص کے ہاتھوں ان کو فروخت کرنا چاہتے ہیں، کہ اس قسم کی قیمتی اشیاء کی فروخت کا اس نمائش سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا، جب کہ ہندوستان کے دور دراز مقامات کے علم دوست اور رؤساء شرکتِ جلسہ کی غرض سے اس موقع پر جمع ہوں گے، وہ تمام چیزیں جو نمائش میں پیش کرنے کی غرض سے دفترِ ندوۃ العلماء میں پہنچیں گی، ان کی حفاظت اور احتیاط کا بندوبست ذمہ دار ہے علمی نمائش کا اگرچہ معقول ذخیرہ موجود ہے، مگر ہم چاہتے ہیں کہ حتی الامکان نمائش کے دائرے کو اور زیادہ وسیع کیا جائے، اس لئے جن حضرات کے پرائیویٹ کتب خانوں میں اس قسم کی قابل نمائش کتابیں یا فرامین وغیرہ موجود ہیں ان کا اندوہ ممنون ہوں گے اگر وہ چند دنوں کے لئے عاریۃ عنایت فرمائیں، جو نمائش کے بعد بحفاظت ان کی خدمت میں واپس کر دی جائیں گی، حفاظت اور احتیاط ہمارا فرض ہے اور خدا نہ کرے کہ ہم اپنے فرض کو بھول جائیں،

(الندوۃ تیرانج ۳)

(ماہِ محرم ۱۳۲۲ھ مطابق ماہِ اپریل ۱۹۰۶ء)

ہے مگر
نصفِ فہرست
ماضی کا
موسم
کارنا
بصورت
ی کو
دیجئے
مختص
بورس
ابستہ
نان
اور
بے
موت
افروز
جلوہ
کے
سی

(تسیمی)

ندوة العلماء کیا کر رہا ہے

ندوة العلماء کا غلغلہ جس زور شور سے اٹھا، اور پھر جس افسردگی سے پست ہو گیا، دونوں باتیں بظاہر تعجب انگیز تھیں، لیکن حقیقت میں ایک بھی تعجب خیز نہیں، ابتدائی زور شور کے ضروری اسباب تھے، قوم ایک مدت سے دیکھ رہی تھی کہ قومی خیالات و حالات میں اصلاح کی سخت ضرورت ہے، لیکن جن لوگوں نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا چونکہ وہ رہنمایان مذہبی کے دائرہ سے نہ تھے، اس لئے ان کے اثر کا دائرہ بھی محدود رہا، چنانچہ تمام ہائے پکار شور و غل کے بعد بھی قوم کے جو افراد تعلیم جدید کی طرف متوجہ ہوئے وہ صرف نوکری پیشہ لوگ تھے جن کی معاش کا تعلیم انگریزی کے سوا اور کوئی ذریعہ نہ تھا، ان کا اس طرف متوجہ ہونا وطن ^{خیالی} یا مذاق علمی کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ اس لئے تھا کہ وہ یہ نہ کرتے تو کیا کرتے،

اس حالت میں پھر علماء کے حلقے سے جب اصلاح کی آواز بلند ہوئی تو دفعۃً تمام ملک سے جو پہلے سے ہمہ تن انتظار تھا، لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں، علماء کا حلقہ اگرچہ ابتدائیں مختصر تھا، لیکن تمام ملک نے جس خلوص اور جوش سے ان کی صدا پر خیر مقدم کہا، اسی نے اس دائرہ کو بہت وسیع کر دیا، سینکڑوں مولوی اور عالم جو ندوہ کی حقیقت کو ذرہ برابر بھی نہ سمجھتے تھے، یہ دیکھ کر کہ مسجد نشینوں کی ریاست قائم ہوئی جاتی ہے، ہر طرف سے ٹوٹ پرکا

اور دہی تین سال کے اندر اندر اس سرے سے اس سرے تک ہر طرف ندوہ ہی ندوہ کی صدارت تھی، ندوہ کے سالانہ جلسوں میں مولویوں کی جس قدر تعداد جمع ہوئی حکومتِ اسلام کے زمانہ میں بھی کسی مجمع میں دستارِ فضیلت کے اس قدر شعلے کجا نظر نہ آئے ہوں گے،

ایشیائی قوموں کا جوش اور افسردگی دونوں فوری اور ناقابلِ اعتبار ہوتی ہیں، جن لوگوں نے ندوہ سے بڑی بڑی امیدوں کی لو لگائی تھی، دو چار برس کے بعد یہ دیکھ کر بیٹھ رہے کہ ندوہ سے نہ کوئی مذہبی سفارت چلے و چایان گئی، نہ قوم میں امامِ غزالی اور رازی پیدا ہوئے نہ کسی عالم نے یورپ کے علوم و فنون کے طلسم کی پردہ دری کی، قوم کے جوش اور اشتیاق میں کمی ہوئی، تو مولوی خود بخود اس طرح افسردہ ہوتے گئے، جس طرح مرثیہ خواں، آہ و بکا کے غل نہ ہونے سے ہمت ہار جاتا ہے، وہ گروہ جو تقلید پرستی یا خود غرضی کی وجہ سے پہلے ہی سے مخالف تھا، اس کو اور بھی شہادت کا موقع ہاتھ آیا، اب اقل قلیل صرف چند شاخیں رہ گئے جو ندوہ کے اصلی عناصر تھے،

نکتہ سنج پہلے ہی دن سے سمجھتے تھے کہ ندوہ کے جو کام ہیں، وہ پچھلی نسل سے جو قدیم زمانہ کی تربیت یافتہ ہے، ہرگز انجام پذیر نہیں ہو سکتے، ندوہ کے کیا کیا کام تھے،

(۱) علمائے ایشیاء نفس کا پیدا کرنا،

(۲) انگریزی داں علماء پیدا کرنا،

(۳) مذاقِ حال کے موافق علمائے گروہ میں مقرریں اور اربابِ قلم کا پیدا کرنا،

(۴) ایسے علماء کا پیدا کرنا جو غیر مالک میں اسلام کی اشاعت کر سکیں،

اب غور کرو کہ ہندوستان کی تمام درسگاہوں میں تربیت کا جو طریقہ ہے، یعنی دونوں وقت کسی کے دروازہ پر جا کر فقیروں کی طرح کھانا مانگ لانا، یا بڑی معراج ہوئی تو نانی

کی دوکان پر جا کر کھا آنا، اس سے کسی قسم کی ہمت، غیرت یا اثنا نش پیدا ہو سکتا ہو، اس طریقہ کے تربیت یافتہ، صدقہ، نذر اور خیرات کے سوا اور کسی طریقہ پر زندگی بسر کرتے ہیں، کیا ان لوگوں سے کسی قسم کی بلند خیالی کی توقع ہو سکتی ہے؟

تربیت سے قطع نظر کر کے تعلیم کو لو، تعلیم میں جب تک یورپ کی کسی زبان کی تعلیم لازمی نہ قرار دی جائے اور زمانہ موجودہ کے علوم و فنون نہ پڑھائے جائیں، اس وقت تک مذاقِ حال کے موافق، کیونکر اربابِ قلم پیدا ہو سکتے ہیں؟

اس بنا پر ندوہ کے اعلیٰ بانیوں نے ہر طرف سے توجہ دینا صرف دارالعلوم دینی مدرسہ مجوزہ ندوہ پر اپنی امیدوں کا مدار رکھا، دارالعلوم میں بھی سخت دشواریاں تھیں، علما و نصائبا قدیم میں کسی قسم کی اصلاح منظور نہیں کرتے تھے، انگریزی زبان کے جاری کرنے پر بعض معزز اربکانِ ندوہ نے اس زور کی مخالفت کی کہ کئی برس تک یہ مسئلہ مردہ ہو کر پڑا رہا، سب سے بڑی مشکل یہ تھی اور وہ اب بھی بہت کچھ باقی ہے کہ مدرسین جو ندوہ کو مل سکتے تھے، اسی قدیم کیر کے فیر تھے، اس لئے نئے راستہ پر ان سے قدم نہیں رکھا جاتا، اور زور لگا کر چلائے جاتے ہیں تو یاؤں الٹی طرف پڑتا ہے،

غیر مالکی میں اشاعتِ اسلام کا کام، لوگوں نے اس قدر آسان سمجھا تھا، کہ بہت سے لوگ صرف اس وجہ سے ندوہ سے الگ ہو گئے کہ اس نے اب تک اس کام کو کیوں انجام نہیں دیا، اس الزام سے فائدہ اٹھا کر بعض کم مایہ لوگوں نے خود اس کام کا بیڑا اٹھایا، اور تبلیغِ اسلام و اشاعتِ اسلام کے نام سے فنڈ کھولے، قومی دنیا بہت وسیع ہے، ایسے آتش بھی بہت نکل آتے ہیں جو بے سمجھے بوجھے ساتھ ہو لیتے ہیں، غرض چندہ جمع ہونا شروع ہوا، اور وہ تیار یا ہونے لگیں، کہ جاپان و امریکا کا مسلمان ہونا صبح شام کی بات رہ گئی، سو راتفاق سے

اسی آئیں جاپان کی مذہبی کانفرنس کا غل اٹھا، اور خود شاہ جاپان کی طرف سے تمام ممالک اسلامیہ میں اس مضمون کے اعلانات شائع ہوئے کہ علمائے اسلام اس کانفرنس میں قدم نہ فرمائیں، اور اسلام کی حقیقت سمجھائیں، اس صدارت کے ساتھ تمام ہندوستان میں سناٹا تھا، ہندوستان کو تو اپنی طرف سے پہلے بھی مایوسی تھی، لیکن مصر و شام و ایران دور کی دھڑکتے تھے، اسی لئے سب کی نگاہیں اس طرف اٹھیں، مصر کے عربی اخبارات میں متعدد علماء کے نام چھپے، جو معقول و منقول کے جامع تھے، اور جن کی نسبت مشتہر کیا گیا کہ وہ جاپان چاکے یا عنقریب جانے والے ہیں، بظنیہ کہ ان علماء میں ہندوستان کے بھی متعدد علماء کا نام تھا جن کو اگرچہ ہم نہیں جانتے، لیکن خوشی کی بات ہے، کہ مصر و شام و روم جانتا ہوا نہیں ایک انگریزی خواں صاحب دہلی کے بھی تھے، جن کو مصری اخبارات فیلسوف اور حکیم بتاتے ہیں، بڑی اور مصر سے جن لوگوں کا انتخاب ہوا ہم ان سے اچھی طرح واقف ہیں، ان میں ایک شخص بھی تفسیر و حدیث سے باخبر نہیں، کیونکہ وہاں بھی یہی مصیبت ہے کہ جدید تعلیم علوم دینیہ سے ناواقف ہیں، اور قدیم تعلیم یافتہ مذاق حال سے آشنا نہیں، تاہم چونکہ انکی زبان مادری عربی ہے، اس لئے قرآن اور حدیث کا صحیح تلفظ کر سکتے ہیں، اور چونکہ زمانہ حال کے خیالات سے واقف ہیں، اس لئے اس خدمت کو علماء کی بہ نسبت زیادہ خوبی سے انجام دے سکتے ہیں، افسوس!

کامل اس فرقہ زہاد سے اٹھانہ کوئی کچھ ہوئے تو یہی رندان قلع خواہ ہو
 بہر حال مجبوری کے لئے چاہے جو کچھ کیا جائے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جاپان کی فتح
 کرنے کے لئے یہ سالار ایک طرف ہمارے ہاں سپاہی بھی تیار نہیں، بھولے بھائے مسلمان
 جو یورپ میں تبلیغ کے نام کا غل جاتے ہیں، ان کی بعینہ یہ حالت ہے کہ ع

مذہب کے
 لوگوں

تعلیم
 مذاق

مذہبی
 علماء

مذہبی
 بڑی

تاریخ
 اور تبلیغ

مذہبی
 تیار

سے

لڑتے ہیں اور ہاتھیں تلوار بھی نہیں

جاپان سے ایک شخص نے جو ایک جاپانی اخبار کا مالک اور برقیاس غالب مسلمان تھے
اخبار ترجمان کے اوڈیر کے نام ایک خط لکھا ہے جس کا ترجمہ اخبار جیل آئین مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۰۶ء
میں چھپا ہے، ہم اس کے اقتباسات مع ترجمہ کے نقل کرتے ہیں جس سے ظاہر ہو گا کہ مسلمانوں
کی اس علمی ناداری کا عام ماتم ہے،

چینی عالے و فاضلے را کہ بتوان از
ایسا فاضل جو اس عظیم الشان ہم سے
عمدہ این تکلیف بزرگ و وظیفہ
عمدہ براہو سکے ہم کہاں سے ڈھونڈ سکتے
برآید، ما از کجا بدست آریم و پیدا نماییم
لایں، اگر روس کی تمام اسلامی آبادی
فی دایم کہ گرجندیں صد شعل برداشته
اور ویرانہ میں سیکڑوں مشعل لے کر ڈھونڈ
و تمامی ساکن مسلمانان روسیه و کنج خرابا
جائے تو اس پایہ کا ایک عالم بھی نظر
را تحس نمایم چینی عالے را پیدا نہ کر د
نہ آئے گا اور ہم کو ناامید ہونا پڑیگا،
و مایوس خواهیم گشت،

آخر برلے ہیں روز ہا بود کہ بعضی
اسی دن کے لئے بعض عاقبت اندیش
نویندگان و مردمان دانشمند و با بصیرت
مسلمان وادعیا د کرتے تھے، کہ
و مال اندیش ما استدعائی کردند و داد
ہمارے علماء کو، علوم جدیدہ سے
میزند کہ علماء اسلام اسلام از علوم
واقع رہنا چاہئے، کاش اون کی
دفون متنوع خبردار باشد، آہ اگر ایں
باتوں پر کسی نے کان لگایا ہوتا، او
سختاں را وقے گزاشته و گوش میداد
اس کی وقعت کی ہوتی،
حالا در عالم اسلام یک پچھو عالمی
کیا تمامی اسلامی دنیا میں ایسا ایک

بمسلمان ہو
۱۰ اگست ۱۹۰۲ء
کا کہ مسلمان

سے
نہر
ادی
ہوندا
نظر

پیدا می شود کہ دار اسے علم و ہنر و ہمت
و جہد باشد تا بقوۃ نطق و تاثیر تبلیغات
خود و دولت مخفیۃ اپوں را دعوت نماید
آیا قدر و قیمت چنین بزرگوار از مسلمان
و ابوذر، و مقداد و سایر مہاجرین و
انصار کمتر می باشد، زاپوں و اسلام
می داند چہ چیز است قالبی روح
دین بین اسلام را حیات محمد صلی
و خانہ ساختہ پیغمبر اکرم را دوبار آبا
کردن است،

زاپوں یا را یا احادیث و انجاری
توان ہدایت کرد زیرا کہ شخص باید او
قبول اسلام نماید و بعد صحت و اعتبار
روایات را با در کند، و مستقرا و بیان
زاپونی را نمی توان گفت کہ ترکیب
و قامت فلاں ملک چنین است و
درازی خرد و جال چنان و یا غسل جفا
این طور است و تیم این طور و باین
سخنان دعوت اسلام نمی شود،

عالم بھی مل سکتا ہے جو علم و ہنر کے ساتھ
ہمت اور کوشش بھی رکھتا ہو تاکہ اپنے رُوح
تقریر سے جاپان کی عظیم نشان سلطنت کو اسلام
کیا اسے عالم کی عزت، سلمان و ابوذر
و مقداد اور دیگر مہاجرین و انصار
سے کم ہو سکتی ہے جاپان کا اسلام
لانا کیا چیز ہے؟ اسلام کے مردہ قالب
میں نئی روح پھونکنا، اور رسول اللہ
صلعم کی تعمیر کردہ عمارت کو دوبارہ
آباد کرنا ہے،

جاپان کے لوگوں کو احادیث و روایات
کے ذریعہ سے ہدایت نہیں کیا سکتی، کیونکہ
پہلے آدمی اسلام لائے تب احادیث و
روایت کا قائل ہو سکتا ہے،
جاپانیوں کو یہ بتانا فقول ہے کہ فلاں
فرشتہ کا یہ ڈیل ڈول ہے، و جال کا
گدھا اس قدر طویل اقامت ہو غسل جفا
اس طرح کیا جاتا ہے تیم کا یہ طریقہ ہوا
یا توں تبلیغ اسلام نہیں ہو سکتی،

ز اپونیاں رانقہ خط بہ بیان حکمت اہل
قرآن مجید دعوت تو ان نمود تبارت
برسد کہ دین مبین محمدی چگونہ با عقل
و حکمت موافق و با علوم و فنون مناسب
می باشد، شخصے کہ مدعی دعوت و ہدایت
شد لازم است کہ کافہ علوم و فنون
و حکمت و دانستہ را کہ فعلاً در میان
تر اپونیاں متداول است بطور اکمل
و لائق بدانند،

جا پانی صرف قرآن مجید کے حقائق و
اسرار کے بیان کرنے سے اسلام کی طرح
بلائے جاسکتے ہیں جس سے یہ ثابت ہو جائے
کہ مذہب اسلام کس طرح عقل اور حکمت
کے موافق اور علوم و فنون کے مناسب
ہے، جو شخص تبلیغ اسلام کا مدعی ہو اس کے
لئے ضرور ہے کہ ان تمام علوم و فنون
سے واقفیت رکھتا ہو، جو عملاً جا پان میں
جاری و ساری ہیں،

لیکن بہیات اور مجلس اعلیٰ حضرت
میکاڈو غیر از ہادیان اسلام داعیان
مسیحی و یہودی وغیرہ نیز خواہند بود
اتمام این دعوات از مکاتب عالیہ
دارالفنون ہا ہے بزرگ فراغت حبثہ
اند کہ غیر از دین و آئین ملی خود در ادیان
اجنبیہ و علوم و فنون جدیدہ و حکمت
طبیعیہ کاملًا مہارت دارند،

لیکن افسوس! میکاڈو کی مجلس میں مسلمانوں
کے علاوہ اور ٹھہر چھوٹی کے واعظ بھی
ہوں گے، جنہوں نے بڑی بڑی
یونیورسٹیوں میں علمی ڈگریاں حاصل
کی ہیں، اور جو دوسری قوموں
کے مذہب اور علوم و فنون جدیدہ
میں کمال رکھتے ہیں،

روحانیان مسیحی در بارہ دیانت اسلام
و طریقت بود اہلزار تقیشتات

عیسائیوں نے اور بدعہانے مذہب
کے متعلق نہایت مدقعات تحقیقاتیں کی ہیں

عمیقہ بکار برد و کتاب جامع و تالیف کرد
اندلسنہ اسلامیہ و ژاپونی را تحصیل نمود
اندو لے از علمائے مسلمین کو آل عالمی
کہ در حق دین مسیح و آئین بودہ یک در
نوشته باشد،
اور ان مضامین پر تصنیف لکھی ہیں، اسلام
اور جاپان کی زبانیں سیکھی ہیں، کیا
علمائے اسلام میں بھی کوئی ایسا شخص
ہے، جس نے حضرت عیسیٰ یا بودھا کے
متعلق ایک صفحہ لکھا ہو

و قیقہ دولت و ملت روس بت پرست
بودند، ولادیمیر ایو بانڈی مثل ہمین
وی ژاپون برائے اخذ مذہب جدید
مجلسے ترتیب داد از علمائے مسلمین نیز
دعوت کرد، عالم مسلمانی کہ از شہر قزاق
آمدہ بود از مطالب حقہ و مزایای اسلام
و حکمت ہائے الہیہ فقط ہمیں حرف را
منتخب کردہ و گفت کہ خوردن گوشت
خوک حرام است،
جس زمانہ میں روسی قوم بت پرست تھی
شاہنشاہ روس ولادیمیر نے اسی طرح
ایک جلسہ منعقد کیا تھا، اور علمائے اسلام
کو بھی بلایا تھا، جو صاحب اس غرض کیلئے
قازان سے تشریف لائے انھوں نے
اسلام کے تمام عقائد اور فلسفہ میں سے
صرف یہ مسئلہ منتخب کر کے پیش کیا
کہ سور کا گوشت کھانا حرام ہے،

از قرار بگزارش مورخین روس ولادیمیر
باطناً مائل بہ اسلام بود و میخواست کہ
تجدد و ملت روس تماماً بقول دین اسلام
تمائند، لیکن داعی قازانی از تمام بیعت
مطہرہ فقط حرمت لحم خنزیر را گفتہ و طور
مورخین روس لکھتے ہیں کہ شاہنشاہ
روس اسلام کی طرف مائل تھا، اور
چاہتا تھا کہ تمام قوم روس کیلئے مذہب اسلام
کو انتخاب کرے، لیکن قازانی عالم
نے، شریعت اسلام کے تمام احکام

اصرار نمود کہ جالب غیظ و لاد بیکر کرد
تا اینکه مشائریہ را از مجلس خود طرد
نمود و دین مسیح را قبول کرد کہ نو دیو
نفوس ملت روس داخل مذہب آیت قدس
شدند،

میں سے صرف اس مسئلہ کو پیش کر کے اپر
اس قدر زور دیا کہ شاہنشاہ نے غصہ میں
اگر ان کو نکلوادیا، اور عیسائی مذہب
قبول کر لیا، جس کا نتیجہ ہوا کہ نوکر و
آدمی دفعۃً عیسائی ہو گئے،

حالائے مسلمانان انصاف کیند و فرض
نمائند ہر گاہ ایں اخوند قازانی عالم
علوم ادیان و ابدان و بافضل و دانش
و بیان آراستہ می بود و از حکمت اسرار
شرع شریف اطلاعات صحیحہ میداشت
و بدو در مسئلہ حرمت لحم خنزیر متفق
نگشتہ از جملات حکمیہ و محیر العقول قرآن
و احکام حکمت فرجام محمدی صلی اللہ علیہ
و آلہ وسلم کہ منافع آن بطور حسی و موافق
علوم و فنون حاضری باشد مکی گفت
و اثبات می رسانید چہ می شد، یک صد
سی یلیون نفوس عالیہ روس تماماً
مسلمان و کافہ امورات جہاں بوضع
دیگر می گردید،

مسلمانوں ذرا انصاف کرو، اگر یہ قازانی
ملا، علوم دینی اور دنیوی سے واقف
ہوتا، اس کو عقل اور سمجھ ہوتی نہایت
کے اسرار سے مطلع ہوتا، اور ابتدائی
میں لحم خنزیر کے مسئلہ کو نہ چھیڑتا، او
قرآن مجید کے وہ حقائق اور اسرار
بیان کرتا جو عقل کو حیران کر دیتے
ہیں، اور جن کے فوائد علانیہ محسوس
ہوتے ہیں، اور وہ علوم موجودہ کے
موافق ہیں، تو کیا نتیجہ ہوتا، یہ ہوتا کہ
آج جو روس میں ۱۴ کروڑ عیسائی
ہیں، یہ سب مسلمان ہوتے، اور دنیا
کی تاریخ بدل جاتی،

اس مضمون سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہر جگہ یہ عام سکایت ہو، اور کس قدر افسوس ہے کہ مصر
شام قسطنطنیہ، ایران، عرب، ایک جگہ بھی اس قسم کی تعلیم کا بندوبست نہیں کیا جاتا،

اب سوال یہ ہے کہ ندوہ نے کیا کیا، اس کا جواب جس قدر عملاً موجود ہے وہ یہ ہے کہ ندوہ
نے علمائے گروہ میں کچھ خوش خیال انتخاب پیدا کئے جو اس ضرورت کا احساس رکھتے ہیں اور نہ
اور ہر طرف تو اس گروہ میں سے اس قسم کی بھٹک بھی سنائی نہیں دیتی،

ندوہ کے شور وغل کا ایک بدیسی اور علانیہ نتیجہ یہ ہوا کہ مدراس میں باقیات صالحات
کے نام سے جو مشہور مدرسہ قدیم زمانہ سے چلا آتا تھا، اس میں اس سال ایک بہت بڑا جلسہ
کا نفرنس کی صورت میں کیا گیا، اور تمام علمائے بہ اتفاق یہ تجویز منظور کی، کہ عربی زبان کیسما
انگریزی زبان کی تعلیم بھی لازمی قرار دی جائے، اس قدر درودر از فاصلہ پر ندوہ کا اثر ہونا، اول
خود ندوہ کے اطراف میں لوگوں کا مخالفت ہونا تعجب انگیز ہے، لیکن یہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہو، ع
زخاک کہ ابو جہل اس چہ بول بھی ست

ندوہ نے نہایت دلیری اور استقلال سے، اپنے مدرسہ میں انگریزی زبان لازمی قرار
دی، اور زمانہ حال کی تحقیقات و مسائل سے طلبہ کو آشنا کیا، اس کے ابتدائی نتائج طلبہ
ندوہ کے وہ خیالات ہیں جو الندوہ کے صفحوں پر کبھی کبھی نظر آتے ہیں،

ندوہ ایک انگریزی خواں تعلیم یافتہ کو جو پنجاب کی طرف کارہنہ والا ہو، صرف اس غرض
سے عربی علوم و فنون کی تعلیم دے رہا ہو کہ اس سے اشاعت اسلام کا کام لیا جاسکے،
اس سلسلہ میں ندوہ نے ایک بڑی کامیابی یہ حاصل کی، کہ ایک انگریز نو مسلم کو جو افریقہ
کا رہنے والا ہے، اور افریقہ کی تمام زبانوں میں ماہر ہے، بمبئی سے بلا کر عربی کی تعلیم دلانی
شروع کی ہے، اس انگریز کا اسلامی نام شیخ محمد ہے، اور بمباسہ سے آیا ہو، وہ نہایت خلوص

سے اسلام لایا ہے، اور نہایت قانع اور بے غرض ہے، اور وہ عربی تعلیم صرف اس غرض سے حاصل کر رہا ہے کہ افریقہ میں جا کر وہاں کی زبان میں اسلام کا وعظ کہہ سکے،

ندوہ نے نصابِ تعلیم میں ضروری اصلاح کی، قدیم نصاب بہت کچھ بدل گیا، منطق و فلسفہ کی بے کار کتابیں نکل گئیں، تفسیر اور علم ادب کا حصہ زیادہ کر دیا گیا، انگریزی زبان کی تعلیم لازمی ہو گئی، یہ تبدیلیاں کئی برس کے بحث و مباحثہ اور رد و رد کے بعد حال میں عمل میں آئیں، اور ابھی دس بارہ برس میں ان کے نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے،

بے شبہہ ندوہ کو جو کچھ کرنا چاہئے اس میں سے اس نے ابھی من میں چھٹانک بھر بھی نہیں کیا، لیکن جب یہ خیال کیا جائے کہ خود اسلامی سلطنتوں میں جہاں اسلام کی شاہنشاہی قائم ہے، اس قسم کی کوشش کا شائبہ تک نظر نہیں آتا، تو جو کچھ اب تک ندوہ نے کیا ہے، اس کو کسی نگاہِ حقارت سے نہیں دیکھا جاسکتا،

ابھی ہم کو یہ نہیں دیکھنا چاہئے کہ منزل تک ہم پہنچ گئے یا نہیں بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ ہم جس راستہ پر چل رہے ہیں، وہ منزل تک جاتا ہے یا نہیں، اور یہ کہ ہم نے اس راستہ کو کچھ طے بھی کیا ہے یا نہیں،

رہرواں را خستگی راہ نیست عشق ہم راہست و ہم خود منزلت

(الندوہ ج ۳ نمبر ۸)

ماہ ستمبر ۱۹۶۶ء مطابق شعبان ۱۳۲۲ھ

ندو کی نئی زندگی کا آغاز

ندوہ جس سرو سامان سے اٹھا تھا ملک کو وہ منظر آج تک بھولا نہ ہوگا، لیکن پھر جس طرح وہ رفتہ رفتہ ڈوبتا گیا، وہ بھی محتاج بیان نہیں یہاں تک کہ یا تو اس کے متعلق کہیں سے صدائیں اٹھتی تھیں یا اٹھتی تھیں تو مخالفوں کے خندہ تحقیر کی آواز تھی،

ایسا عجیب و غریب انقلاب کیوں ہوا، کیا ندوہ درحقیقت کوئی جھوٹا طلسم تھا؟ کیا وہ خام خیالی کے دریا کا کوئی جباب تھا؟ کیا وہ طفلانہ عرصہ بندیوں کی کوئی لہر تھی؟
نہیں یہ کچھ نہ تھا، ندوہ ایک اصلی سچائی تھی، ایک حقیقی زندگی تھی، ایک قومی روح تھی۔ لیکن جس طرح آفتاب بہ این ضیا گسری و عالمگیری کبھی گستا جاتا ہو، ندوہ پر بھی یہ روز بد گذرا، جن دشمنوں نے مسرت اور دوستوں نے افسوس کیا، لیکن خدا کا شکر ہے کہ وہ آفتاب عالم تاب اب گمن سے نکلتا آتا ہو، اور دنیا چند روز میں دیکھ لے گی، کہ قوم کا مذہبی افق فور سے سمور ہو گیا ہو اور اگر یہ نور کسی کسی کو نظر نہ آئے تو سچ چشمہ آفتاب را چہ گناہ،

ندوہ کی اس نئی زندگی میں جن جن کاموں کا آغاز ہوا، یعنی نصاب تعلیم کا تغیر، طریقہ تعلیم کی اصلاح، بورڈروں کی تربیت، طلبہ کی قابلیت علمی کا ظہور، مالی حالت کی ترقی، سرمایہ تعمیر کی بنیاد گو یہ سب چیزیں ندوہ کے عمدہ مظاہر زندگی ہیں، لیکن سب سے بڑی اور سب سے مقدم کامیابی

جو حاصل ہوئی وہ ندوہ کی سلسلہ عمارت کے لئے زمین کا ملنا ہے،

لکھنؤ میں جو ندوہ کا صدر مقام ہے، ایک ایسے وسیع اور خوش منظر قطعہ زمین کا ہوا تھا جس پر
کہ ندوہ کی وسیع کارروائیوں کے لئے درکار تھا، قریباً ناممکن تھا، اس زمین کے لئے جو خصوصیتیں
درکار تھیں حسب ذیل تھیں،

(۱) کم از کم اس کا رقبہ ۳۰-۴۰ بیگہ بچہ ہوا اور ایسے موقع پر ہو کہ آئندہ اضافہ کی گنجائش ہو
(۲) نہایت خوش منظر اور خوش فضا ہو،

(۳) شہر سے نہ دور ہو نہ قریب یعنی باہمہ اور بے ہمہ ہو،

(۴) سب سے بڑھ کر یہ کہ مفت ہا تھا آئے، یہ شرط تم سمجھ سکتے ہو کہ سب سے بڑھ کر مشکل تھی اس
برس ہو چکے کہ اس قسم کی زمین کی تلاش میں ہر قسم کی کوششیں صرف ہوئیں، لیکن یہ ظاہر ہے کہ ہم
کیسیا ڈھونڈتے تھے جو پہلے زمانہ میں تو ملتی تھی لیکن اب تو یورپ والوں نے اسکو دنیا سے گم کر دیا
شکل اور سخت مشکل یہ تھی کہ اس کیسیا کے بغیر کئی قسم کا کوئی کام انجام نہیں پاسکتا تھا، ندوہ
کے قدردان اور خاص خاص احباب اپنی قیاضیوں کے امتحان دینے کے لئے مستعد تھے لیکن
ہمارے پاس ان کی زرافشائیوں کے سیٹھنے کے لئے دامن نہ تھا،

دور دور سے طلبہ آنے کے لئے درخواست کرتے تھے، لیکن ہم ان ہمانوں کو کہاں
ٹھہراتے، کتب خانہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا تھا، لیکن ان علی مبروں کو بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی تھی
تعلیم کی متعدد ضروری شاخیں اس لئے نہیں کھولی جاسکتی تھیں کہ عمارت کا لبرزیالہ
ایک قطرہ بڑھنے سے بھی چھلک جاتا تھا،

خدا کا شکر ادا ہوا کہ ان تمام مشکلات کو گورنمنٹ کی ایک نظر عنایت نے دفعہ
حل کر دیا، گورنمنٹ نے دھن برائے نام لگان پر ۲۲ بیگہ کا ایک وسیع قطعہ زمین عنایت کیا

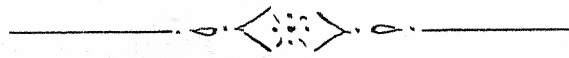
جو کھنڈوں میں سب سے بڑھ کر خوش منظر اور خوش فضا مقام ہے،

سامنے دریا چاروں طرف کھلا ہوا میدان، عقب میں کیننگ کالج کا خوش نما نورنگ چاروں طرف کی زمین سے زیادہ بلند اور ہموار اور سطح عرض ایک ایسا قطعہ ہے کہ اگر ہم اپنی آرزوں اور خواہشوں کے موافق کوئی زمین تصنیف بھی کرتے تو یہی ہوتی،

ارکانِ ندوہ پر خصوصاً اور عام مسلمانوں پر عموماً فرض ہے کہ گورنمنٹ کے شکر یہ کیلئے جا بجا جلسے کریں، اور گورنمنٹ کو جتائیں کہ وہ گورنمنٹ کے اس عطیہ کے کس قدر شکر گزار ہیں اے ارکانِ ندوہ اے یہی خواہاںِ ندوہ اے عام اربابِ اسلام! گورنمنٹ نے باوجود اجنبیتِ مذہب آپ کے خاص مذہبی کام کے لئے اس قدر بڑی فیاضی کی جس سے سکو صرح مالی نقصان اٹھانا پڑا، اب آپ کا کیا فرض ہے مجھ سے بہتر آپ خود بتا سکتے ہیں، تباہی کی یہ صورت ہے کہ آپ اسی کو ذیل میں خاتونوں کے نام کی ایک اپیل پڑھیں اور سادہ جگہ کو کچھ اعداد سے پر کریں،

(الندوہ ج ۵ نمبر ۷)

(اگست ۱۹۰۷ء مطابق رجب المرجب ۱۳۲۶ھ)



رأبنا
میتین

یش تو

اوس

ہم

لم کرنا

مدوہ

یکن

س

نہی

س

بالہ

معدوہ

الندوہ

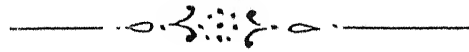
خاتونانِ قوم کی عزت و ریادگار

اسلام نے عورتوں کو جو عزت اور عظمت دی اس پر اگرچہ مسلمانوں نے اپنے طرزِ عمل سے پردہ ڈال دیا لیکن مذہبی روایات اور تاریخی واقعات کو کوئی شخص مٹا نہیں سکتا، سب سے پہلے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے جب آنحضرت صلیعہ علیہ وسلم پر وحی آئی اور ناموسِ الہی نے آپ کو آغوش میں لیکر فشار دیا، تو مقتضائے بشریت سے آپ کو خوف پیدا ہوا، اور آپ نے فرمایا "خشیت علی نفسی" اُس وقت حضرت خدیجہ الکبریٰ نے آپ کو تسلی دی اور کہا، مایخزیک! خدا بدار، مذہبی شعائر اور مذہبی اصطلاحات میں عورتوں کا خاص حصہ ہے، جو مردوں کو نصیب نہیں جج کا ایک برادر کن صفا اور مردہ میں دوڑنا حضرت پاجرہ کی تقلید ہے، مکہ اسلام کی جڑ ہے اسکو خدا نے قرآن مجید میں ام القریٰ کہا ہے، اسی طرح قرآن مجید میں جو آیاتِ محکمات ہیں انکو خدا نے ام الکتاب فرمایا ہے، کعبہ کو حرم کہتے ہیں اور خواتین کا بھی یہی لقب قرار پایا ہے، قرآن مجید میں ایک مستقل سورۃ النساء عورتوں کے احکام میں اور ان کے نام سے اُتری مردوں کے نام پر کوئی سورت نہیں ہے، کیا ان امور سے صاف یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مذہب اور شعائر مذہب میں عورتوں کو ایک مخصوص اور ممتاز درجہ حاصل ہے، اسی کا اثر ہے کہ مذہبی احساسِ مذہبی خلوص، مذہبی شفیقتگی جس قدر عورتوں میں پائی جاتی ہے، مردوں میں اس کا عشرِ عیشی بھی

لے خاتونانِ اسلام، اے معزز ماؤ، اے محترم بہنو! اے عزیز لڑکیو! کیا اس خفیتِ قم
 کے بدلہ میں تم خدا کی خوشی، رسولِ عربی کی رضا مندی، قیامت کی نجات، اور قوم کی دعائیں
 نہیں خریدنا چاہتی ہو، (حاشا تمہاری نسبت کون یہ بدگمانی کر سکتا ہے)
 یا رب این آرزو سے من چہ خوش است
 تو بدین آرزو مرا برسان،

(الندوہ ج ۵ نمبر ۷)

اگست ۱۹۰۷ء مطابق رجب المرجب ۱۳۲۶ھ



زندہ زید خاتون

مسلمانوں کے اوصاف کے بیان میں ہم کو مجبوراً ہمیشہ پچھلے زمانہ کی طرف رجوع کرنا پڑا ہے، بلند ہمتی، ادنیٰ علم پرستی، بہادری، ایک ایک چیز کے لئے ہارون الرشید، مامون زیدہ خاتون، براکھ اور تیموریہ کا نام لیتے لیتے ہم تھک چکے، کیا موجودہ زمانے میں ہم کو کوئی شخص اس پرانے آموختہ سے بے نیاز نہیں کر سکتا؟ اس پر حسرت سوال کے جواب میں ریاست بھاو پور کے افق سے ایک صدا بلند ہوتی ہے،

جناب علی القاب کن الدولہ نصرت جنگا فظ الملک فخلص الدولہ

بڑا ہنس نواب جی صادق محمد خاں جیساجا نشین خاں ام قبا

کی

”جدہ مکرمہ فلک احجاب عصمت مآب خلد ہا اللہ تعالیٰ“

نے

”اپنی جیب خاص سے مبلغ پچاس ہزار روپے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی عمارت

کی تعمیر کے لئے عطا فرمائے

ہندوستان میں ہر طرف اور بھی بہت سے علمی اور قومی کام ہیں، لیکن ان کے ارکان صاحب اثر صاحب اقتدار صاحب وجاہت ہیں، اور اس وجہ سے ان کی کامیابی محض

نہیں لیکن عظیمہ ایک ایسا عطیہ ہے جس کے وجود میں قافلہ اسلامی مہمروی، خاص فیاضی
 خالص دریا دینی کے سوا کوئی چیز شریک نہیں، ندوہ کی جماعت گوشہ نشینوں اور پائشکستہ لوگوں
 کی جماعت ہے، اس کا دست طلب کسی دامن پر بے باکانہ اور مدعیانہ نہیں پڑ سکتا اس
 حالت میں جو دریا دل اس کی طرف متوجہ ہو، محض اس کی بے لاگ فیاضی اور خدا پرستی ہے،
 دارالعلوم ندوہ کی قبلی حالت جس طرح ترقی کر رہی ہے اس کے لحاظ سے دارالعلوم
 کی موجودہ عمارت نہ صرف ناکافی تھی، بلکہ اُس کی تمام آئندہ ترقیوں کی سہراہ تھی، نہ
 طلبہ کے رہنے کے لئے موزوں مکانات تھے، نہ درس کے لئے کافی کمرے تھے، نہ کتب خانہ کی
 گنجائش کے لئے عمارت تھی، نہ علوم جدیدہ کی تعلیم کا سامان تھا، کوئی شخص جو ندوہ کا مشہور
 اور بلند نام سن کر آتا تھا عمارت کو دیکھ کر دفعۃً اس کے تمام خیالات پست ہو جاتے تھے،
 جناب خاتون محترمہ موصوفہ نے جو فیاضی فرمائی ہے اس نے دارالعلوم ندوہ کی نہ صرف
 بنیاد مستحکم کر دی ہے، بلکہ اس کی تمام آئندہ ترقیوں کے لئے راستہ صاف کر دیا ہے
 اور گواہ آئندہ ندوہ کسی حد تک بڑھے، اور کتنی ہی ترقی کر جائے، لیکن انصاف یہ
 ہے کہ جو کچھ ہو گا اسی فیاضی کا پرتو، اسی تحنم کا ثمر، اسی آفتاب کی شعاعیں ہوں گی
 اے صوبہ الہ آباد، اے اودھ! تو نہایت وسیع نہایت ممتاز نہایت معزز ملک ہو،
 لیکن سچ یہ ہے، اور اب اس سے خود تجھ کو انکار نہیں کرنا چاہئے، کہ پنجاب نہیں، بلکہ اس کی
 ایک ریاست نہیں، بلکہ اُس کی ایک خاتون محترمہ کے آگے تیری گردن ہمیشہ کے لئے جھکے گی
 تو نے کبھی برہان الملک اور آصف الدولہ پیدا کئے ہوں گے، لیکن تو کسی بیدہ خاتون
 کا نام نہیں لے سکتا، ۵

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خداے بخشندہ،

ہمکو ان بزرگوں یعنی جناب مولوی رحیم بخش صاحب پریسڈنٹ کونسل و تمام ممبر جناب
 کونسل اور جناب مولوی محمد الدین صاحب ڈاکٹر تعلیمات اور جناب ڈاکٹر مولوی محمد الدین
 صاحب کا بھی دل سے شکریہ ادا کرنا چاہئے جن کی وجہ سے ہماری درخواست، جنابہ خاتون
 صاحبہ محترمہ کے سع مبارک میں پہنچ سکی، ہمکو مولوی غلام محمد صاحب شملوی کا بھی دل سے شکریہ
 ادا کرنا چاہئے جنھوں نے ندوہ کی آواز وہاں تک پہنچائی ہے،

(الندوہ)



صی
لوگوں
س
علوم
نہ
نکی
مور
نہ
ن
یا
نہ
گی
ہو
کی
ن
ن
ن

۱
۹
۲

ایک نئی یونیورسٹی

یعنی

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے

سنگ بنیاد کا جلسہ اور جلسہ سالانہ ندوۃ العلماء

ندوۃ العلماء کے ہواغواہ خصوصاً، اور یہی خواہاں اسلام عموماً ایک مدت سے جس چیز کا انتظار کر رہے تھے، خدا کا شکر ہے کہ اب اس کے سامان مہیا ہونے کے دن آئے، ندوۃ العلماء کے مقاصد اور اغراض کے انجام دینے کے لئے اُن علماء کی ضرورت ہو جو موجودہ زمانہ کی ضرورتوں اور خیالات سے واقف ہوں، جو یورپ کی کسی زبان سے آشنا ہوں، جو غنی نفس ہوں جنہیں ایثار نفس کا مادہ ہو، یہ اوصاف اس وقت پیدا ہو سکتے ہیں جب طلبہ کو ایک خاص طریقہ پر تعلیم اور تعلیم کے ساتھ خاص طرح کی تربیت دی جائے۔ ندوہ کے دارالعلوم نے اس کام کو شروع کیا، لیکن عمارت کے ناکافی اور ناموزوں ہونے سے نہ طلبہ کے قیام کا انتظام ہو سکتا تھا، نہ تعلیم و تربیت کی وقفیں مل سکتی تھیں۔ اس بنا پر اس سال ایک نہایت خوش منظر قطعہ زمین انتخاب کیا گیا جس کو

گورنمنٹ نے نہایت فیاضی سے دہلے نام لگان پر اس غرض کے لئے غایت کیا
۲۸ نومبر ۱۹۰۷ء کو سنگ بنیاد رکھے جانے کی رسم قرار پائی، اور نہایت خوشی اور مسرت کا
مقام ہے کہ جناب لفٹنٹ گورنر بہادر صوبہ الہ آباد نے اپنے ہاتھ سے سنگ بنیاد کا
رکھنا منظور کیا، یہ بھی قرار پایا کہ ان ہی تاریخوں میں (یعنی ۲۹، ۳۰ نومبر ۱۹۰۷ء) ندوہ کا سالانہ
جلسہ بھی کیا جائے، یہ بات خاص طرح پر ظاہر کرنے کے قابل ہو کہ مدت سے ندوہ کے اور
دیگر وسیع اہم مقاصد میں سے صرف تعلیم پر توجہ محدود کر دی گئی تھی، اب جب کہ تعلیم کے انتظام
کسی قدر اطمینان ہوا تو ندوہ کے اور بڑے بڑے مقاصد پر توجہ کرنے کا وقت آیا، اس لئے
ہم تمام ہی خواہان اسلام سے درخواست کرتے ہیں کہ اس موقع پر جب کہ ایک مسگاہ اعظم کی
بنیاد رکھی جائے گی، آپ کا تشریف لانا نہ صرف اس لئے ضرور ہے کہ ایک ایسے رسم کا سال
وشوکت سے ادا ہونا قوم کی اور اسلام کی عزت ہے، بلکہ اس لئے بھی کہ ان جلسوں میں ندوہ کے
اور بڑے مقاصد اور اغراض پر مشورہ اور مباحثہ ہوگا، اور ان کے متعلق تجویزیں اور رزلوشن
پیش ہونگے، مشہور اور نامور علما خطبہ اور وعظ بیان کریں گے، دارالعلوم ندوہ کے طلبہ کی تعلیم
اور لیاقت کا امتحان ہوگا، اس بنا پر آپ ضرور تکلیف فرمائیں، اور غور کریں کہ ہکو مذہب اسلام
اور علوم اسلام کی بقا اور حفاظت اور اشاعت کے لئے کیا کیا تدبیریں کرنی چاہئیں،
وقت اولاد کا مسئلہ جو چھڑ کر چند روز کے لئے ملتوی ہو گیا تھا، اسکی کارروائی کے
مشکم طریقہ سے جاری کرنے کا اس عمدہ موقع نہیں مل سکتا،

(الندوہ جلد ۵ نمبر ۹)

رمضان ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۷ء

دَارُ الْعُلُومِ نَدْوَةُ الْعُلَمَاءِ

کے

سنگینہ و کاظم الشان جلسہ

بگذر ازین حرف و مکر پر سر خواب خوشی دیدم و دیگر پر سر
تذہ بود حسرا بم ہنوز دیدہ من باز و بخوابم ہنوز
ہماری آنکھوں نے حیرت فزا تماشا گاہوں کی دلفریبیاں بار بار دکھی ہیں، جاہ و جلال
کا منظر بھی اکثر نظر سے گذرا ہے، کانفرنسوں اور انجمنوں کا عیش و خوشی بھی ہم دیکھ چکے ہیں
و عظ و بند کے پر اثر جلسے بھی ہرگز متاثر کر چکے ہیں، لیکن اس موقع پر جو کچھ آنکھوں نے دیکھا، وہ ان
سب سے بالاتر، ان سب سے عجیب تر، ان سب سے حیرت انگیز تھا،
یہ پہلا ہی موقع تھا کہ ترکی ٹوپیاں اور عمامے دوش بدوش نظر آتے تھے، یہ پہلا ہی موقع
تھا کہ مقدس علماء عیسائی فرماں روا کے سامنے دلی شکر گزاری کے ساتھ ادب سے خم تھے، یہ
پہلا ہی موقع تھا کہ شیعہ و سنی ایک مذہبی تعلیم گاہ کی رسم ادا کرنے میں برابر کے شریک تھے، یہ
پہلا ہی موقع تھا کہ ایک مذہبی درس گاہ کا سنگ بنیاد ایک غیر مذہب کے ہاتھ سے رکھا جا رہا
تھا، مسجد بنوی کا منیر بھی ایک نصرانی نے بنایا تھا، غرض یہ پہلا ہی موقع تھا کہ ایک مذہبی

سقت کے نیچے نصرانی، مسلمان، شیعہ، سنی، خفی، کوہانی، رند، زاهد، صوفی، واعظ، خرقة پوش اور کچلاہ
سب جمع تھے، مصرع

آباد ایک گھر، جو جانِ خراب ہیں

ہنر آؤ لفظ گورنر بہادر ہمالک متحدہ نے منظور فرمایا تھا کہ وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا
سنگ بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھیں گے، یہ تقریب ۲۸ نومبر ۱۹۰۸ء کو عمل میں آئی، چونکہ ندوہ کا سالانہ
جلسہ بھی ان ہی تاریخوں میں ہونے والا تھا، اس لئے دو طرفہ کشش کی وجہ سے گویا تمام ہندوستان
امٹ آیا، افسوس یہ ہے کہ یہ کوئی تعطیل کا زمانہ نہ تھا اور نہ شاید تنظیم جلسہ انتظام مہانداری میں
ہمت ہار جاتے، معزز شرکاء جلسہ میں علماء میں سے مولوی مولانا عبد الباری صاحب فرنگی علی
مولوی شاہ ابوالخیر صاحب غازی پوری، مولانا ذاکر حسین صاحب، مولوی ابن حسن صاحب محمد العصر
مولوی شاہ سیلمان صاحب بھلواری، مولوی نظام الدین صاحب جھری، مولوی مسیح الزماں
خان صاحب استاد حضور نظام، اور ارباب وجاہت میں سے جناب آنریبل راجہ جہان محمد آباد
جناب سر راجہ صاحب ہماگیر آباد، نواب وقار الملک، کرنیل عبد المجید خاں فارن منسٹر ٹیالہ
صاحبزادہ آفتاب احمد خاں، شیخ عبد القادر بیرسٹر، حاجی محمد موسیٰ خان صاحب رئیس علی گڑھ،
خان بہادر سید جعفر حسین صاحب، مولوی محمد حسین صاحب مقبہ رئیس بیٹی، بابو نظام الدین
رئیس امرتسر، حاجی شمس الدین صاحب سکرٹری حمایت اسلام لاہور، مرزا فتح اللہ خان صاحب
سب جج جالندھر، شیخ سلطان احمد رئیس ہوشیار پور، خان بہادر شیخ عسکرم صادق صاحب
رئیس امرتسر، راجہ نوشاد علی خاں صاحب، صفی الدولہ نواب علی حسن خاں کھنؤ، حافظ نذر الرحمن
صاحب رئیس عظیم آباد جلسہ میں شریک تھے
تین بجے سے ذرا پہلے تمام لوگ بہ اسلوب بیٹھ گئے، اور ارکان انتظامیہ ندوہ ہنر آؤ

و جلال
لیکھے ہیں
۱۰۰ وہ ان

ی موقع
تھے یہ
تھے یہ
رکھا جا رہا
ب مذہبی

کے استقبال کے لئے لب فرش دور و یہ صف یا ندھ کر کھڑے ہوئے، بیشتر صاحب لکھنؤ نے سکرٹری دارالعلوم (شبلی نعمانی) کو لفٹنگ گورنر صاحب بہادر سے ملایا، اور پھر سکرٹری موصوف نے تمام ارکان انتظامیہ کا ایک ایک کر کے لفٹنگ گورنر سے تعارف کرایا، ہزار سرخ بانات کے خیمہ میں لیڈی صاحبہ کے ساتھ چاندی کی کرسی پر رونی افروز ہوئے اول دارالعلوم کے قاری نے قرآن مجید کی چند آیتیں تلاوت کیں۔ شاہ سلیمان صاحب بھلوانی نے ہزار سے ادریس پڑھنے کی اجازت طلب کی، مولوی منیر حسین صاحب قدوائی نے ادریس پڑھا، ہزار نے نہایت خوش لگائی اور صفائی سے ادریس کا جواب دیا، مولوی خلیل الرحمن صاحب نے عربی ادریس جو ساٹن پر چھپا ہوا تھا، زیریں کارچوبی خریدہ میں رکھ کر پیش کیا، ہزار نے خود اپنے ہاتھ میں لے کر اڈیکانگ کے حوالے کیا، پھر سنگ بنیاد نصب کرنے کے لئے تشریف لگے اور مولوی شاہ ابوالخیر صاحب، کرنیل عبدالحمید خاں صاحب، آریسل راجہ صاحب محمود آباد، نواب وقار الملک، حافظ عبدالحکیم صاحب رئیس کانپور، نواب علی حسن خان صاحب رئیس جھوپا، منشی احتشام علی صاحب رئیس کاکوری، منشی انظر علی صاحب بی لے، وکیل لکھنؤ، حکیم عبدالعزیز صاحب، حکیم عبدالوہابی صاحب، مولوی محمد نسیم صاحب کیل، ان کے ساتھ گئے تھے، سنگ بنیاد کے نصب کرنے کے وقت دوبارہ قاری صاحب نے قرآن مجید کی تلاوت کی، وہی کے وقت ارکان انتظامیہ نے موٹر کار تک مشایعت کی، اور یہ دلفریب تماشا ختم ہو گیا،

(الدوہ جلد ۵ نمبر ۱۱)

ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ مطابق دسمبر ۱۹۰۸ء

ایک مذہبی مدرسہ عظیم کی عمارت کیلئے

تمام ہندوستان کے مسلمانوں سے درخواست

تمام ہندوستان میں ایک بھی ایسا خالص دینی اور مذہبی مدرسہ نہیں، جو بلحاظ جامعیت و وسعت و عظمت کے مدرسہ عظیم کہلانے کا مستحق ہو، یعنی جس میں تمام علوم دینیہ یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، اصول کی تعلیم ایسے کمال کے درجہ تک دی جاتی ہو، کہ تحقیق کا مرتبہ حاصل ہو سکے، جس میں اسلامی علوم کی تمام قدیم اور نادر اور کیا پ کتابیں فراہم کی گئی ہوں، جس میں طالب علموں کو تصنیف و تالیف کی تعلیم دی جاتی ہو، جس میں ایسے لوگ تیار کئے جاتے ہوں جو مخالفین مذہب کے اعتراضات کا جواب آجکل کے مذاق کے موافق دے سکیں۔

جس میں حکومت موجودہ کی زبان بھی بقدر ضرورت پڑھائی جاتی ہو، جس کی عمارت وسیع پر فضا اور عظیم الشان ہو،

ہندوستان میں چھ کروڑ مسلمان ہیں، ان کی سینکڑوں دنیوی تعلیم گاہیں ہیں

نور نے سکرٹری
ف نے تمام
ت کے خیمہ میں
آن نجد کی چند
ب کی ہو لوی
عابدیا، مولوی
ماہر آرنے
ئے تشریف لگے
و د آباد، نوآ
س بھوپال
عبدالغفر
یے اسکاٹ
بی کے وقت

۱۹۰۷ء
بیر

سیکڑوں چھوٹے چھوٹے مدرسے ہیں، لیکن ایک بھی مذہبی مدرسہ اعظم نہیں ہے، یہ کفر افسوس اور شرم کی بات ہے،

اس غرض کے پورا کرنے کے لئے لکھنؤ میں ندوہ کا دارالعلوم قائم کیا گیا، اور اگرچہ ابھی اس محض خاکہ تیار ہوا ہے، لیکن جو ضرورتیں اوپر بیان کی گئیں، ان سب کی داغ بیل ڈال دی گئی ہے، تمام مذہبی اور عربی علوم کی تعلیم ہوتی ہے، عربی کی زبان دانی اس درجہ تک سکھائی جاتی ہے کہ طلبہ ہر جہتہ بڑے بڑے جلسوں میں عربی زبان میں کچھ دے سکتے ہیں، تصنیف و تالیف کی مشق کرائی جاتی ہے جس کا اندازہ طلبہ کے لکھے ہوئے مضامین سے ہو سکتا ہے، جو اندوہ میں مشغول ہوتے رہتے ہیں،

علوم جدیدہ اور حکومت موجودہ کی زبان بھی بقدر ضرورت سکھائی جاتی ہے، یہ تمام امور ابھی ابتدائی پیمانے پر ہیں، اور کوشش ہے کہ اعلیٰ درجہ کی حد تک پہنچ جائیں لیکن نہایت افسوس ہے کہ عمارت نہایت پست حالت میں ہے، رفعت اور عظمت ایک طرف طالب علموں کے رہنے کی بھی گنجائش نہیں،

عمارت کا جو نقشہ تجویز کیا گیا ہے، اس کی قطع ہے کہ چاروں طرف طالب علموں کے رہنے کے مکانات بیچ میں مدرسہ کی عمارت، اور ایک طرف عظیم الشان مسجد ہوگی،

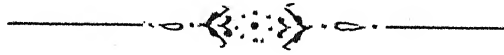
تمام علوم کے درس کے لئے الگ الگ کمرے ہوں گے، یعنی تفسیر کے لئے جدا، حدیث کے لئے جدا، فقہ کے لئے جدا، ادب کے لئے جدا، اور علیٰ ہذا القیاس، یہ کمرے ان ہی علوم کے نام سے موسوم ہوں گے مثلاً دارالتفسیر، دارالحدیث، دارالفقہ وغیرہ وغیرہ،

جوئریں یا امیر جس کمرے کی تعمیر اپنے صرف سے کرائیں گے، اس کمرے کی پیشانی پر اُن کا نام کندہ ہوگا، اور اس طرح ابد الابد تک یہ خیر جاری ان کے نام سے قائم رہے گی،

جو کمرہ عام چندہ سے تیار ہوگا، ان پر ان اشخاص کے نام کندہ کئے جائیں گے جو کم از کم سو روپے عطیہ دیں گے،

چونکہ یہ عمارت ایک عظیم الشان عمارت ہوگی جس کا تخمینہ مسجد کے علاوہ پچاس ہزار سے کم نہیں ہو سکتا، اس لئے مذکورہ کی طرف سے ہم چند ارکان نے ارادہ کیا ہے کہ مشورۃً تمام میں دورہ کر کے اس رقم کو فراہم کریں امید ہے کہ بزرگان قوم ہماری اور اپنی شرم رکھیں گے اور ایک خالص مذہبی کام کے انجام دینے میں ہم کو مایوس نہ کریں گے،

(السندوہ)



ہے، ایسی

چہ ابھی اسکا
ال دیکھی
جاتی ہو
کی مشق
رہ میں مشق

پوینچ جائیں
ست آیت

ساکے

راہدیت
علوم کے

انی پر
ہے گی

جلسہ شہری ندوۃ العلما

(۱۶ و ۱۷ محرم ۱۳۲۴ھ)

اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ ندوہ کے مقاصد اور اغراض نہایت اہم اور ضروری ہیں، اور اسی بنا پر شروع شروع میں تمام ملک میں ندوہ کی طرف وہ جوش و نشاط ظاہر کیا گیا جو حیرت انگیز تھا، لیکن جو نتائج لوگوں کے خیال میں تھے چونکہ اس کا طور نہیں ہو سکا اس لیے لوگ مفسد ہوتے گئے، ارکان ندوہ اس حالت سے بے خبر نہ تھے لیکن وہ سستی پر سرسوں کیونکر جا سکتے تھے اور جو امور سالہا سال میں انجام پانے کے قابل ہیں، وہ دو چار سال میں کیونکر لوگوں کو دکھا سکتے تھے،

ندوہ کے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد ایک وسیع دارالعلوم کھولنا اور طلبہ کو چٹا ضرورتوں کے موافق تعلیم و تربیت دینا تھا، چنانچہ نمونے کے طور پر ایک دارالعلوم کھولا گیا اور اس میں دو نصاب مقرر کئے گئے، ایک فرائض تحصیل کا اور دوسرا تکمیل کا خدا کا شکر ہے کہ پہلے نصاب کے موافق طلبہ کی ایک جماعت فرائض تحصیل ہو گئی، اور اس تقریب سے ان کی عطا سند و تقسیم انعام کا جلسہ ۱۲ مارچ ۱۳۲۴ء کو لکھنؤ میں قرار دیا گیا، ان جلسوں کی کارروائی حبیہیل ہوگی،

دامشہور علماء و وعظین تقریر کریں گے اور وعظ فرمائیں گے،

(۲) طلباءے فارغ التحصیل مختلف علمی عنوانوں پر تقریر کریں گے جس سے ان کی قابلیت اور

لیاقت و خیالات اور قوت تقریر کا اندازہ ہوگا،

(۳) طلبہ سے عربی زبان میں مضامین لکھوائے جائیں گے،

(۴) طلباءے فارغ التحصیل کو سند دی جائے گی، اور انعام تقسیم ہوگا،

(۵) تجاویز ترقی و استحکام دارالعلوم پیش ہوں گی،

(۶) ناظم ندوہ اور صدر ندوہ اور ارکان ندوہ کا جدید انتخاب ہوگا،

تمامی ہی خواہان اسلام سے عموماً اور علما و عظیمین و مہتممان انجمنہائے اسلامیہ مدارس اسلامیہ سے خصوصاً امید ہے کہ تاریخ معینہ پر ضرور تشریف لائیں،

ہمانوں کے ٹھہرنے کا انتظام دارالعلوم ندوہ واقع گولانچ میں کیا جائے گا، خورد و نوش اور قیام کا انتظام ندوہ کی طرف سے صرف ان لوگوں کے لئے کیا جائے گا، جو ندوہ کے ممبر ہوں ممبری کی فیس دو روپیہ ہے،

(الندوہ - جلد ۳ نمبر ۱۲)

دیچہ ۳۲۴ء مطابق جنوری ۱۹۰۷ء

— ۰۰۰۰۰۰۰۰ —

دری
یا گیا
مفسر
تھا
لو

نمبر
۱
۱۱۰
۱۱۱
۱۱۲

(مفاد)
۱۱۲

ہزہائیں سرغاں

ندوۃ العلماء

نہایت خوشی کی بات ہے کہ اب ندوۃ العلماء کی طرف، قوم کے سربراہ اور وہ اصحاب کی توجہ مبذول ہوتی جاتی ہے، مسلم لیگ کے جلسہ میں جب سکریٹری دارالعلوم نے جناب ہزہائیں سرغاں سے ملاقات کی تو جناب مدوح نے ندوہ کے متعلق کچھ مشورے کئے، اس تقریر میں سکریٹری دارالعلوم نے ہزہائیں سے خواہش ظاہر کی کہ وہ کلکتہ جاتے ہوئے لکھنؤ میں ندوہ کا خطہ فرمائیں، جناب مدوح نے نہایت خوشی سے قبول فرمایا، چنانچہ ۳۱ جنوری ۱۹۱۱ء کو ہزہائیں علی سے لکھنؤ میں رونق افروز ہوئے، اور ۳ فروری ۱۹۱۱ء کو جدید عمارت دارالعلوم کے زیر تعمیر ہال میں ایک نہایت شاندار جلسہ ہوا، ہال نہایت خوبی سے سجایا گیا تھا، تقریباً پانچ سو چیدہ اصحاب اکٹھے تھے جن میں آئریبل راجہ علی محمد خاں بہادر آئریبل سر راجہ تصدق رسول خاں بہادر راجہ شجاع علی خاں، مولانا عبد الباقی صاحب فرنگی علی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے،

ہزہائیں ٹیھک ۱۲ بجے تشریف لائے، جلسہ نے جن کی دورویہ قطار شرک کے دونوں طرف کھڑی تھی، اہلاً و سہلاً و مرجا کا زور سے غلغلہ بلند کیا، سکریٹری دارالعلوم، اور مولانا سید عبدالحی صاحب اور دیگر ارکان ندوہ نے ہزہائیں کا استقبال کیا، ہزہائیں ہال میں تشریف لائے، اور سنقرئی کرسی پر جلوں فرمایا، دارالعلوم کے ایک طالب العلم نے قرآن مجید کی چیدہ آیتیں

تلاوت کیں، اس وقت ہزنہائس اور تمام شرکاء جلسہ کھڑے ہو گئے، اس کے بعد سکریٹری دارالعلوم
ندوہ نے فارسی زبان میں اڈریس پڑھا،

چونکہ ہزنہائس کا اصلی مقصد طلباء دارالعلوم کے خیالات و معلومات کا اندازہ کرنا تھا، اس لیے
جناب ممدوح نے طلبہ کو بلا کر ان کو تقریر کا موقع دیا، اور بعض طلبہ کے لئے خود تقریر کا موضوع
متعین کر دیا، طلبہ نے نہایت شستہ اور فصیح عربی میں تقریریں کیں، بالآخر ہزنہائس نے کھڑے
ہو کر نہایت فصیح فارسی میں برصبتہ تقریر کی جس میں دارالعلوم کے مقاصد اور تعلیم کی نہایت تعریف
کی اور فرمایا کہ ندوہ کی تعلیم کے سلسلے تمام ہندوستان میں پھیلنے چاہئیں تاکہ تمام مذہبی گروہ میں یہ
روشن خیالی پیدا ہو جائے، یہ بھی فرمایا کہ طلبہ کو تعلیم کی تکمیل کے لئے یورپ کی یونیورسٹیوں میں
بھیجنا چاہئے، اور جس طرح یہودی اور عیسائی پیشوایان مذہب علوم جدیدہ کو مذہب کی حمایت
کے لئے سیکھتے ہیں، علماء اسلام کو بھی اسی طرح سیکھنا چاہئے تاکہ جب یہ تعلیم یافتہ گروہ پر اپنا
مذہبی اثر ڈال سکیں، اور ان کی رہبری کر سکیں، اخیر میں فرمایا کہ میں ہمیشہ ندوہ کا معین اور
مؤید رہوں گا،

ہزنہائس کے بیٹھ جانے کے بعد مولوی عبدالباری صاحب فرنگی علی نے ہزنہائس کی
تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ ہم کو ہزنہائس جیسے لوگ درکار ہیں جو مسلمانوں کی کوٹلی
ہوئی کوٹلیوں کو ملا سکیں،

جلسہ کے ختم ہونے کے بعد معززین جلسہ نے ہال کے دروازہ تک ہزنہائس کی معیت
کی اور ہزنہائس موٹر پر فرود گاہ کو روانہ ہو گئے، ہم اس موقع پر اڈریس کو درج کرتے ہیں،

اصحاب کی
بہزنہائس
تقریر میں
ندوہ کا خطہ
زہنائس کی
تعمیر ہال
اصحاب کا
رازہ جناب

کے
اور مولانا
میں مشورہ
کی چند

پیش گاہِ خادمِ عالی مقامِ جنابِ مستظاہرِ حضورِ ہمایون

سرِ آغا خانِ سادومِ عز و مجد

ما جملہ ارکانِ دارالعلومِ ندوۃ کمالِ خلوص و نہایتِ صمیمِ قلب، التفات و توجہ ساری را پس
گذاستیم زحمتی کہ بندگانِ عالی بہ شرفیت آوردن دریں درسگاہ بر خود روا داشتند ما جملہ ارکانِ اہل
و اسلامیانِ این شہر کمالِ خلوص و نہایتِ اتمان بہ سپاس گذاری و منت پذیری آن تریزانِ ستیم،
واللہا ہا! ما اجازت طلبِ ستیم کہ چیرے از اسبابِ تاسیسِ این مدرسہ پیش گاہِ سامی
باختصار تمام عرضہ داریم،

واللہا ہا! این خود حاجت بان ہمارند کہ ملتِ اسلام، باقلیم یا نژاد، یا خانوادہ اختصاصاً
ندارد بلکہ ہر کس از ہر کشور و ہر نژاد کہ باشد محضِ این کہ کلمہٴ اسلام را بر زبان آورد مسلم می شود و
در جملہ حقوقِ ملتِ دین با مسلمانانِ قدیمِ برابری تواند کرد نبار علی ذالک از آغاز اسلام جماعہ مخصوصہ
باین کار بودہ است، کہ علوم و نییہ و تاریخِ ملت و زبانِ عرب را نگہداری بکنند و تکفلِ این امور
باشد، ہمیں جماعت است کہ بخطابِ علما موصوفست، و در عہدِ اسلام ہمہ آنانکہ دارای فلسفہ
و تاریخ و ادب و بلاغت بودہ اند ازین جماعت بودہ اند یکے از واجبات و مزایای این جماعت
آنست کہ مقتضیاتِ احوال را در نظر داشتہ باشند یعنی در ہر عہدے بہر طور کہ در خور آن وقت
و آن عہد باشد تحتِ اسلام و حالتِ اسلامیان تواند کرد و درین عہد در جملہ امور از تمدن و معاش
و اخلاق و تعلیم، انقلابِ بزرگ پیدا گشتہ است اما در غیبت کہ علمائے عہد ما از مقتضیاتِ روزگار
بکلی غافل بودہ اند ازین مہرگامی در راہ ترقی نزدہ ہماں بر حالتِ پیشینہ قناعت داشتند کہ از عواید

و خیمه این حالت آن بود که علماء را در نظر مردم که تربیت یافته و انشمال تازه هستند وقتی و جایی نماند
 و علماء از کار بهدایت و ارشاد با کلیه مصلحت گشتند و نظر برین اسباب جماعه از علماء انجمنی موسوم به ندوة العلماء
 برپا کردند که اہم المطالب او دو کار بوده است، یکے اصلاح نصاب و طریقہ تعلیم و دیگر رفع احتیاجات
 و نزاع کہ در میان طوائف مختلفہ اسلام حادث گشتہ است، اما چون عامہ علماء ریچگونہ بر اصلاح
 نصاب راضی نبوده اند، ندوة العلماء را تاسیس مدرسہ ناگزیر افتاد، کہ نصاب تعلیمش با اندازه مقتضیات
 این عہد باشد و این ہمہ دارالعلوم ست کہ دو عمارت جدید او فراہم گشتہ ایم، از جملہ اصلاحاتی کہ
 در نصاب تعلیم بر روی کار آمدیکے از ان تعلیم فلسفہ جدید، و زبان انگریزی ست، زبان انگریزی
 اگرچہ چند سال ست کہ داخل نصاب بوده است اما چون عامہ مردم و خاصہ علماء قدیم در مخالفت
 او شدت داشتند، سائے چند اجراءے او مصل ماند تا آنکہ دو سال ست کہ تعلیم این زبان بر حلقہ
 اولاد مدرسہ لازم کردیم، یکے از مختصات این مدرسہ تکمیل فن ادب و بلاغت ست کہ دو کس از اہل فن
 را بکار تدریس این فن مقرر داشتہ ایم، و چون کار آموزان دانش را برای وسعت نظر و توسیع معلومات
 از کتب خانہ عمومیہ گزیر نہ بود، ہم در مخطوطہ دارالعلوم کتب خانہ بزرگی بنیاد نہادیم کہ دارالہفت ہزار
 کتب نا درہ خطیہ و مطبوعہ است وی توان گفت کہ یکے از اعظم کتب خانہ سائے ہند ست، مزیت تعلیم
 مدرسہ تا بہ این درجہ رسیدہ کہ گویا از مسلمات عامہ است، ڈاکٹر ہارویز کہ یکے از فاضل مستشرقین ست
 و نواب محسن الملک استنداد تلامذہ این مدرسہ ابر محک اعتبار زدہ بہ نوسے خاص اعتراف نمودہ اند
 چنانکہ از تحریرات ایشان کہ در کتاب معاینہ درج ست اندازہ توان کرد، طلبایں مدرسہ می توانند
 کہ از تجالانہ بان عربی نطق بدہند و این طور در تعلیم ہند تا حال معمول و مشاہدہ نبودہ است از جملہ
 مزایای تربیت این مدرسہ آنست کہ اولاد او از تعصب و عناد کہ گویا خاصہ جماعت علماء شدہ است
 مطلقاً برکراں بودہ اند و مقالات ایشان کہ در مجلہ اندوہ ہر ماہی اشاعت می پذیرد برین دعوی

س
 یارایا
 کان الہک
 بانستیم
 گاہ سانی

اختصاص
 شود و
 مجامع مخصوصہ
 این امور
 رای فلسفہ
 عت
 این جماعت
 وقت
 وراں د
 بن و معاصر
 ت روزگاہ
 لم از عوا

آیے روشن و سید و واضح است چون تاریخ تعلیم و تربیت این مدرسه هر روز واضح تر می گشت ملت
را برواقتات خاص پدید آمد حضور فرماں رولے ریاست عالیہ حیدرآباد و از آغاز کار با عانت
و همت مبذول داشتند جناب سرانجام بنیم صاحب بھوپال چند ماه است که به عطیہ دو نیم صد ہزار
برمانت گذاشته اند جناب بنیم صاحب ریاست بھاوپور پنجاہ ہزار روپیہ برلے تاسیس عمارت
دارالعلوم نوازش فرمودند و بالاترا از ہمہ آنکہ گورنمنٹ انگریزی بوطاسے پنجصد ہزار صیغہ تعلیم
را قوت و استحکام داده است و ما جملہ مسلمانان ہند سپاس گذار این منت بے اندازہ متیم ہر
توسیع تعلیم انجہ بایش نظر داریم بسیار بالاترا از انست کہ تا حال بروی کار آمدہ است ما می خوئیم
کہ طلاب این درسگاہ پس از تکمیل اینجا بفرنگستان بروند و از مستشرقین آنجا علوم ادبیہ را فراگیرند و در
اکتشافات و تحقیقات تازہ علمائے آن دیار را شرکت و دستگیری تو اند کرد و بچنین می خواہیم کہ طلب
این مدرسه در علوم و فنون جدیدہ ہمارت کلی داشته باشد

والا با جاہ اترقیہ ملت و امت را انجہ از ہمہ مقدم تر است اینست کہ در میانہ ایشان طائفہ
موجود باشند کہ در محاسن اخلاق و علمونہن و پاکیزگی سرشت و نیکی طبع و ایثار نفس مردم را نموداری و
مثالی باشند ما مردم از ہمہ جنس با و اقتدارند و بگیری نیروی روحانی عالے را تو اند سخن کرد اگر خدا ناکرد
یچنین گروہی از میان بر خیزد بنای اخلاق و عمل یکبارہ از پامی افتد و شیرازہ مزایای انسانی از ہم
می گسلد درین حالت ملت و امت پیکرے خواهد بود بے جان و تنے بے سرو گلے بزرگت آئینہ بے
انجہ از دارالعلوم ندوہ نصب العین ما بودہ است احداث بچنین طائفہ ایست و اگر بتایید الہی
کمتر عددی ہم ازین گونه تو انیم کرد و انتہائے آرزو ما خواهد بود

بار دیگر ما جملہ ارکان دارالعلوم ندوہ سیاس تشریف آوری بندگان سامی بجای آیم و دعا
می کنیم کہ ایزد توانا ذات ستودہ صفات را از جملہ کارہ آفات محفوظ و مسنون باد (الندوہ جلد ۳ نمبر ۳)
مارچ ۱۹۱۲ء

دارالاقامہ کے کمروں کی تیاری

دارالعلوم کی عمارت بنی شروع ہو گئی، اس کے اس پاس جو تعلیمی عمارتیں گورنمنٹ اور تعلیقہ داران اور دھکی طرف سے بن رہی ہیں یعنی صنعتی کالج اور کیننگ کالج کا بورڈنگ ہاؤس عمارتوں نے دارالعلوم کے منظر کو اور خوبصورت بنا دیا، جن اتفاق سے چونکہ دارالعلوم کی زمین بلند اور نمایاں واقع ہوئی ہے، اسی لئے اس کے پہلو کی عمارتیں بلوب کی عمارتیں معلوم ہوتی ہیں ہندوستان میں یہ پہلا موقع ہے کہ جدید علوم اور قدیم علوم کی درس گاہیں پہلو بہ پہلو بن رہی ہیں، اور ندوہ کا مقصد بھی یہی ہے ع

ڈانڈ ملا دیا ہے ارم سے تار کا

لیکن دارالعلوم کی عمارت اس وقت تک معطل پڑی رہیگی جب تک اس کے ساتھ کا بورڈنگ (دارالاقامہ) بھی نہ بن جائے، سید جعفر حسین صاحب نے دارالاقامہ کے کمروں کا خاکہ اور صحیح تجزیہ، موقع زمین دیکھ کر قائم کیا ہے، فی کمرہ سات سو روپیے لاگت آئے گی، اور ہر کمرے میں تین طالب العلم رہ سکیں گے، ان کمروں کی تیاری کے لئے مختلف تجویزیں متراوی گئی ہیں،

(۱) چونکہ دارالعلوم کی عمارت کی لاگت ایک معزز خاتون نے عنایت کی ہے، اس لئے دارالاقامہ بھی خاتونوں کی طرف سے تیار کر لیا جائے، ایک ایک کمرہ ایک ایک خاتون

سائل

یا عانت

نیم صد ہا

س عمارت

میں تعلیم

ہیں مہربا

ماہی نویم

مرا و در

ہم کہ طلا

س طا

راری و

رخدا ناکو

انی ازیم

نہ رصف

نہ ائینہ

ماید الی

م و دعا

نمبر ۳

کے نام سے بنے اور عمارت کی پیشانی پر اُن کا نام کندہ کرایا جائے، جو بزرگ اپنی مستورات کی یادگار میں ایسے کمرے تعمیر کرانا چاہیں، وہ بھی اس چندے میں شریک ہو سکیں گے، دارالافتاء کے اس سلسلے کا کوئی موزوں نام آئندہ تجویز کیا جائے گا،

(۳) معززات خاص کی طرف سے کمرے تیار کرائے جائیں،

(۴) ہر شہر کے مسلمانوں کے مجموعی چندے سے ایک ایک کمرہ تیار کرایا جائے،
تینوں قسم کے چندہ دینے والوں کے نام اس وقت تک جو ہمارے پاس آگئے ہیں ستم دوسریں میں درج کرتے ہیں، لیکن ابھی تک رقمیں وصول نہیں ہوئی ہیں، کیونکہ ابھی تک ان بزرگوں سے رقمیں طلب نہیں کی گئی تھیں، لیکن اب اس فنڈ کا علیحدہ حساب بنگال بینک میں کھول دیا گیا ہے، اس لئے درخواست ہے کہ لوگ اپنا اپنا چندہ ارسال فرمائیں،

جناب ہر ہائٹس نواب سیکم صاحب یاسٹ ججہ علاقہ ممبئی ایک ہزار روپیہ، یہ رقم وصول ہو چکی،
جناب سیکم صاحبہ نواب علی حسن خاں صاحب بھوپال،
جناب مولوی حبیب الرحمن خان صاحب سیکم پور سی گڈ، یہ یادگار اہلیہ مرحومہ خود تین کمرے،
جناب حافظ عبدالحلیم صاحب سیکم کانپور،
جناب مسٹر محمد اسحق صاحب کیل ہائی کورٹ الہ آباد، یادگار اہلیہ مرحومہ خود،

جناب شیخ جان محمد صاحب سیکم ہوشیار پور پنجاب، پانسو روپیہ وصول ہو چکے ہیں،
جناب فضل حق صاحب کاخیل جاگیر دار سرحد ضلع پشاور، پچھنٹا ایکڑ اراضی کے قریب کے زیورات بھیجے ہیں،
جناب حاجی شیخ تدر حسین صاحب تعلقہ دار گدیہ ضلع بارہ بکٹی،
مسلمان پشاور معرفت جناب مولوی جمیل احمد صاحب کشتہ صوبہ سرحدی چھ سو سے زائد رقم وصول ہو چکی،
جناب مولوی سید احمد صاحب امام جامع مسجد دہلی از جانب مسلمانانِ دہلی،

مسلمانان کو ہاٹ،

مسلمانانِ مدراس معرفت جناب لانا عبد الباقی جانا عظیم مدراس ایکہزار نو سو سے زائد رقم وصول

ہو چکی ہے،

جناب اجہ نوشاد علی خان صاحب لکھنؤ،

جناب فتح محمد صاحب ٹور کیر جالندھر، پانسو روپیہ وصول ہو چکے ہیں،

جناب لوی حکیم محمد ولی صاحب کسٹنڈوی سپرنٹنڈنٹ سنٹرل جیل گلبرکہ دکن، تین سو روپیہ

(الندوہ - ج ۶ نمبر ۵)

ماہ جون ۱۹۰۹ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ



مستورات کی
دارالافتاء کے

اجائے،
گئے ہیں بمقام
زرگوں سے
ل دیا گیا ہو

بول ہو چکی،

ن کرے،

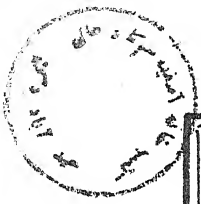
نہیں،
ت بھیجے ہیں

وصول ہو چکی

مصر کی یونیورسٹی

ہمارے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ مصر کی قومی یونیورسٹی جسکا نام جامعہ مصریہ ہے اس کو قائم ہو صرف ایک سال کی مدت ہوئی اتنے تھوڑے سے زمانہ میں اس نے نہایت ترقی کی، اور اسکی ترقی کی رفتار روز بروز بڑھتی جاتی ہے، یورپ کی سلطنتوں نے اسکی تائید و اعانت پر آمادگی ظاہر کی ہے، چنانچہ اٹلی نے اطلاع دی ہے کہ کمیسٹری کا جو کارخانہ یونیورسٹی میں قائم کیا جائے گا، اسکے تمام آلات اور سامان اٹلی کی سلطنت ہدیہ ارسال کرے گی، حال میں احمد توفیق راغب نے سارٹھے سات ہزار روپے یونیورسٹی فنڈ میں عنایت کئے ہیں،

یونیورسٹی کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ اپنے یہاں کے طلبہ کو خاص خاص علوم و فنون کی تکمیل کے لئے یورپ کی یونیورسٹیوں میں بھیجے ہیں، اس سے پہلے ایک جماعت جاچکی ہو، اور اب دوسری جماعت عنقریب روانہ ہوگی، قاعدہ یہ ہے کہ جو طلبہ اس غرض کیلئے تیار ہوتے ہیں، انکی مختلف علوم و فنون میں ایک خاص امتحان لیا جاتا ہے، چنانچہ علم ادب کے چند سوالات ہم اس غرض سے الموند سے نقل کرتے ہیں کہ ہمارے یہاں کے علما اندازہ کر سکیں، کہ اب علم ادب پر کن حیثیتوں سے نگاہ ڈالی جاتی ہے، اور فن ادب کے کمال کے لئے کس قسم کے معلومات ضروری ہیں، (۱) سب سے متعلقہ کے ہر قصیدہ میں جو شعر سب سے اچھا ہو اسکو لکھو اور اسکی ترجیح کے وجہ بتاؤ، ہر قصیدہ کا موضوع کیا ہے اور اس سے اہل عرب کے کن اخلاق اور عادات کا ثبوت ہوتا ہے،



(۳) بتاؤ کہ ایران اور رومہ کی انتشار داری کا اثر عرب کی زبان پر کیا پڑا، یہ اثر کن لوگوں نے پیدا کیا، مثالوں اور سندوں سے اس کا ثبوت دو،
 (۴) بصرہ اور کوفہ کی حالت اس حیثیت سے لکھو کہ وہ علوم عربیت کے تربیت گاہ تھے،
 (۵) عرب میں فن موسیقی کی تاریخ لکھو، اور بتاؤ کہ عرب کے تمدن اور فن ادب پر اس کا کیا اثر پڑا،
 (۶) کیا دولت عباسیہ اور امویہ میں ایسے شعرا بھی پائے جاتے ہیں جو عرب نہ تھے لیکن علم ادب میں امام فن سمجھے جاتے تھے، ان میں سے بعضوں کے نام اور ان کے حالات لکھو،

(الدوہ ج ۶ نمبر ۵)

جمادی الاولیٰ ۱۳۲۴ء مطابق جون ۱۹۰۶ء

Checked
1987

اس کو قائم ہو
 فی کی، اور اسکی
 پیرامادی غا
 یا جائے گا، اسکے
 ق راغب نے

دم دفون کی
 لی ہو اور اب
 ہوتے ہیں، انکی
 لات ہم اس
 ب علم ادب پر
 لے معلوم ضروری
 کے وجہ بتاؤ
 ہوتا ہو،

بھوپال میں ندۃ العلماء کا وفد

اور

حضور سرکار عالیہ ہندوستان کی فیاضی

یہ طے پا چکا تھا کہ اوائل سرمایہ ندۃ العلماء کا وفد (ڈیپوٹیشن) مستقل سرمایہ کے جمع کرنے کے لئے اطراف ملک میں روانہ ہوگا، چنانچہ ۹ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو پہلا وفد لکھنؤ سے روانہ ہوا، اور سب سے پہلے اس نے بھوپال کی اسلامی ریاست کی طرف رخ کیا، وفد کا جس طرح استقبال ہوا جو کارروائیاں ہوئیں، جن کامیابیوں کی امید ہے، یہ امور ہم آئندہ لکھ سکیں گے، لیکن اس وقت ہم اس کیفیت اور اثر کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے دل پر حضور سرکار عالیہ کی باریابی اور ان کی ہمکلامی کا شرف حاصل ہونے سے ہوا، مجھ کو حکمرانان اسلام میں سے متعدد رؤسا اور والیان ملک کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا ہے، ان سے گفتگو اور ہمکلامی کی بھی نوبت آئی ہے لیکن میں بغیر کسی قسم کی رواداری اور تعلق کے اس کہنے پر مجبور ہوں کہ میں نے اس وقت تک کسی رئیس یا دانی ملک کو اس قدر وسیع المعلومات، خوش تقریر، فصیح اللسان، نکتہ سیخ اور دقیقہ رس نہیں دیکھا، وہ تقریر فرما رہی تھیں، اور میں تعجیرت تھا کہ کیا دہلی اور لکھنؤ کی سرزمین کے سوا اور کسی ملک کا آدمی بھی ایسی شستہ اور فصیح اردو کے بولنے پر قادر ہو سکتا ہے؟

وہ مختلف علمی اور انتظامی امور پر گفتگو کرتی تھیں، اور میں سوچتا تھا کہ کیا محذرات اور حجبہ نشین بھی اس قدر معلومات حاصل کر سکتی ہیں؟ وہ لطف و عنایت سے تواضع کے لہجہ میں مجھ سے دریافت فرماتی تھیں کہ آپ کو یہاں کسی قسم کی تکلیف تو نہیں؟ اور میں ہم تن استیجاب تھا کہ کیا مجھ جیسے سچ میرز کو ایک حکمرانِ ذوی الاقدار اس طرح مخاطب بنا سکتا ہو؟

سب سے پہلے جنابِ ممدوحہ نے (میزبانانہ اخلاق کے بعد) مجھ سے سوال کیا کہ تم نے یہاں کے مدارس دیکھے، چونکہ دیوانی کی تعطیل کی وجہ سے مدارس بند تھے، میں نے عرض کیا کہ نہیں، اس پر افسوس ظاہر کیا، اور فرمایا کہ کاش آپ ایسے زمانہ میں آتے کہ مدارس کو دیکھ کر رپورٹ کر سکتے ہیں، وعدہ کیا کہ پھر حاضر ہوں گا، اس پر نہایت مسرت ظاہر کی، اور کہا ”میرے فائدہ کی بات ہو“ عربی علوم و فنون کے تنزل پر نہایت افسوس ظاہر کیا، اور فرمایا کہ میں نے خود جن پایہ کے علما و فضلا دیکھے تھے، آج ایک بھی اس درجہ کا نظر نہیں آتا، میں نے کہا کہ اسباب ہی ایسے پیدا ہو گئے ہیں، انگریزی گورنمنٹ میں عربی دانی کسی قسم کی معاش کا ذریعہ نہیں بن سکتی، اور دنیا کا کوئی کام بغیر انتظامِ معاش کے انجام نہیں پاسکتا، اسلامی ریاستیں البتہ عربی کو سنبھال سکتی تھیں لیکن وہ بھی تمام نوکریوں اور ملازمتوں میں انگریزی دانی کی شرط لگاتی جاتی ہیں، میری اس تقریر کے جواب میں جو کچھ جنابِ ممدوحہ نے فرمایا اس نے نہ صرف مجھ کو ساکت کر دیا بلکہ میں نہ امت اور انفعال سے عرق ہو گیا، فرمایا کہ آپ لوگ جس طرح عربی کی تعلیم دیتے ہیں، اس سے کوئی شخص اس قابل نہیں ہو سکتا کہ کسی ملکی خدمت کو انجام دے سکے، عربی خواں طلبہ کا یہاں یہ حال ہے کہ پندرہ پندرہ بیس بیس برس سے عربی پڑھ رہے ہیں اور فارغ التحصیل بھی نہیں ہوتے اور صرف اس وجہ سے کہ اگر فراغ کا نام ہو گا تو ان کا وظیفہ بند ہو جائے گا، چونکہ عربی داں کسی ملکی خدمت کے انجام دینے کے قابل نہیں ہوتے، اس لئے مجبوراً ان کو کوئی خدمت نہیں دی جا سکتی، جنابِ ممدوحہ

سج کرنے
ہوا، اور
مال ہوا
ن وقت
ریائی او
و سا اور
لی بھی نہ
س وقت
نہ سچ او
سرزمین
نا ہے؟

کی یہ رائے بالکل صحیح ہے، اور اس کا جواب کیا ہو سکتا تھا، البتہ میں نے اس قدر کہا کہ مذوۃ العیال نے اسی غرض سے طرز تعلیم اور نصاب تعلیم میں تبدیلی کی ہے،

اس کے بعد دیر تک اس پر گفتگو کرتی رہیں کہ اہل ملک تعلیم کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اس لیے تعلیم پر جو کچھ صرف ہوتا ہے، اس سے خود ملک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، میں نے عرض کیا کہ تعلیم جبری کیوں نہ کر دی جائے، جیسا کہ بعض ریاستوں نے اس پر عمل کیا ہے، فرمایا کہ جبری تو نہیں کر سکتی، لیکن یہ کیا کم ہے کہ تمام بڑے بڑے عہدے باہر والوں کو ملتے ہیں، اہل ملک میں سے ایک بھی کسی بڑے عہدہ پر مامور نہیں، اگر غیرت ہو تو یہ امر جبر سے کیا کم ہے؟ اہل ملک وظائف اور مناصب کے خوگر ہو گئے ہیں، ان کو نوکری اور ملازمت سے غرض ہی نہیں، وہ ہر وقت صرف وظائف اور مناصب کے متقاضی رہتے ہیں۔“

پھر فرمایا کہ اردو میں علوم جدیدہ کی کتابیں کیوں نہیں ترجمہ کی جاتیں۔ میں نے کہا کہ ترجمہ کون کرے، انگریزی خوان مصطلحات علمی کا اردو میں ترجمہ نہیں کر سکتے، اور عربی خواں، انگریزی نہیں جانتے ہیں۔ انجمن اردو کی طرف اشتہار دیا، اور کمپنری کے مصطلحات چھاپ کر شائع کئے لیکن کہیں سے کوئی صدا نہیں آئی، فرمایا کہ کیوں نہ ایک محکمہ قائم کیا جائے جس میں عربی و انگریزی دونوں زبانوں کے زبان داں ملازم رکھے جائیں، ریاست آصفیہ جو سب سے بڑی مقتدر ریاست ہے آسانی سے اس کام کو انجام دے سکتی ہے۔“

غرض اس قسم کے مضامین پر کامل ڈیڑھ گھنٹہ تک گفتگو کی، اور اس نصاحت کے ساتھ کہ میں ہمہ تن محو حیرت رہا،

تقریر میں بعض بعض جملے ایسے ہوتے تھے جو انتہا پردازی کی شان ظاہر کرتے تھے، مثلاً جبکہ عثمان حکومت میں نے اپنے ہاتھ میں لی، ملک کی تعلیمی حالت پر میرا دل رورہا ہے، یہاں کے

لوگ ییافت حاصل نہیں کرتے بلکہ استحقاقِ آبائی پیش کرتے ہیں۔
لیکن یہ جملے ان کی زبان سے اس سلاست اور صفائی کے ساتھ ادا ہوتے تھے کہ
تضع اور آورد نہیں معلوم ہوتی تھی،

جنابِ محدوحہ کی مصروفیتِ ملکی کا یہ حال ہے کہ روزانہ بلا ناغہ ۱۱ بجے سے ۴ بجے تک
دفتر میں پس پردہ بیٹھ کر تمام کاغذات کو سنتی اور ان پر احکام مناسب لکھواتی ہیں، جو لوگ یہ
کہتے ہیں کہ پردہ میں بیٹھ کر عورتیں قابل نہیں ہو سکتیں، ان کے جواب کے لئے صرف جنابِ محدوحہ
کا نمونہ کافی ہے،

(الندوہ جلد ۲ نمبر ۸)

شعبان ۱۳۳۳ھ مطابق اکتوبر ۱۹۵۵ء

— ۰۰۰۰۰ —

ہما کہ ندوۃ العلماء

ہیں ہوتے تھے

نے عرض کیا کہ

مایا کہ جبری تو

ہی ملک میں

ملک و طاقت

ہر وقت صرف

نے کہا کہ ترجمہ

خواں، انگریزی

اپ کر شائع

میں عربی و انگریزی

یٹری مقدس

ت کے ساتھ کہ

تھے، مثلاً

یہاں کے

ندوة العلماء کا نیا دور

اور

اس کا جلسہ سالانہ

(بنارس میں)

ندوة العلماء پر اس تھوڑی سی مدت میں تین دور گزرے ہیں، ایک اُس کا آغاز جو اس زور شور کا تھا جس کے غلغلہ سے دفعہ تمام ہندوستان گونج اٹھا، دوسرا مڈل ایج (عہدِ نعلیت) یہ دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب مولوی محمد علی صاحب دسکریٹری ندوة العلماء اپنے ضعف و ناتوانی کی وجہ سے ندوہ کے خدمات سے علیحدہ ہونے لگے اور نیتیک نویت پہنچی کہ باوجود عام اصرار کے، اپنے عہدہ سے مستعفی ہو گئے،

تیسرا دور ۱۹۰۵ء سے شروع ہوتا ہے، جب کہ ارکان کو یہ حالت دیکھ کر سخت بے چینی پیدا ہوئی، معتمد دارالعلوم نے ترک تعلقات کر کے خود ندوہ میں سکونت اختیار کی، فقرنا ہوجا سے اٹھ آیا، مصارف جو آمدنی سے بہت زیادہ تھے، گھٹا کر مدخل کے قریب قریب کر لئے گئے، نصاب مجوزہ جس پر اب تک عمل نہیں کیا گیا تھا، جاری کر دیا گیا، انگریزی زبان بطور سکولنگ کے لازمی کر دی گئی، مقامی ارکان میں مولوی محمد نسیم صاحب وکیل اور مولوی تھلہ

صاحب وکیل کا اضافہ ہوا، شملہ اور امرت سرگودھ پوٹیشن گیا، اور کامیاب آیا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جناب معلیٰ القاب سرکار عالیہ یاست بھوپال نے سرپرستی فرما کر چھ سو روپیہ سالانہ کی مستقل رقم مقرر کر دی،

ان حالات سے وہ عام افسردگی جو تمام ملک میں پیدا ہو گئی تھی، کسی قدر کم ہوئی شروع ہوئی، آس پاس کے مقامات کو ندوہ کی دوبارہ زندگی کا کچھ احساس ہونے لگا، او اس کی طرف امید کی نگاہیں اٹھنے لگیں، یہاں تک کہ گورکھ پور اور بنارس میں جلسہ سالانہ کی تحریک شروع ہوئی، اور بالآخر قرعہ قال بنارس کے نام پر نکلا، جو ایک مشہور تاریخی مقام ہے، بنارس کی مقامی کمیٹی کے صدر انجن مولوی محمد عمر صاحب وکیل او سکریٹری مولوی مقبول عالم صاحب قرار پائے ہیں، اول الذکر صاحب ندوہ کے ارکان انتظامی میں ہیں، اور مولوی مقبول عالم صاحب ایک نہایت نیک طبیعت، اول دیندار آدمی ہیں، اور جس سرگرمی اور ذوق سے وہ جلسہ کی تیاریاں کر رہے ہیں، اس سے بڑی بڑی امیدیں پائی جاتی ہیں،

اس جلسہ میں جو خاص بات اور تمام جلسوں سے مزید ہوگی وہ یہ ہے کہ ندوہ کی تعلیم و تربیت کا نمونہ پیش کیا جائیگا، ندوہ کی تعلیم کے جو انتہائی مقاصد ہیں ان کے ٹھوس کا تو وقت ابھی نہیں آیا، اس کے لئے کم از کم ابھی آٹھ سال درکار ہیں، لیکن اس جلسہ میں اس بات کا تجربہ ہو سکے گا کہ ندوہ کی تعلیم کو اور تمام مدارس پر کیا ترجیح ہے، ندوہ کے طلبہ عام مجالس میں علمی اور اخلاقی مضامین پر عمدگی سے تقریر کر سکتے ہیں، فلسفہ جدید سے ان کو کسی حد تک واقفیت حاصل ہے، علوم قدیمہ و جدیدہ کا وہ کچھ نہ کچھ موازنہ کر سکتے ہیں، ان میں عموماً وسعت نظر اور روشن خیالی پائی جاتی ہے عربی زبان میں وہ مستعد

س کا آغاز
سراڈل
دسکریٹری
لئے اور نیک

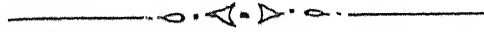
بحث چینی
فرقہ شناسی
فریق لئے
لو سکنہ
ی ٹھوس

طور پر مضمون نگاری کر سکتے ہیں،

ہم کو تمام ہی خواہاں قوم سے اور خصوصاً ان لوگوں سے جن کے دل میں ذرا بھی مذہب کا درد ہے، امید ہے کہ ضرور اس جلسہ میں شریک ہوں گے، کیونکہ تمام ہندوستان میں یہی ایک مذہبی تعلیم گاہ ہے جو اپنے اصول کے لحاظ سے بالکل ایک جدید چیز ہے، اور اگر اس کو وسعت اور ترقی دی جائے، تو وہ مسلمانوں کے ہر درد کی دوا ہو سکتا ہو،

(الدودہ ج ۳ نمبر ۱)

محرم ۱۳۲۲ھ مطابق مارچ ۱۹۰۶ء



البشیر و ندوۃ العلماء

جناب مولیٰ بشیر الدین صاحب کو ندوہ کے حال پر جو قدیم نوازش ہے، وقتاً فوقتاً اس کا ظور ہوتا رہتا ہے لیکن چونکہ ندوۃ العلماء کا سالانہ جلسہ قریب ہے، اور مولوی صاحب موصوف کو خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں جلسہ کی بدولت ندوہ میں کچھ جان نہ آجائے، اس لئے دفعۃً اُن کی مہربانیاں زیادہ ترقی کر گئی ہیں، ایک پرچہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ ”ندوہ اور دیوبند کا ایک مقصد ہے، باوجود اس کے دونوں نے اپنے جلسوں کی ایک ہی تاریخیں رکھی ہیں، دونوں آپس میں لڑتے ہیں، اور جب یہ خود باہم لڑتے ہیں، تو ہماری اصلاح کیسے ہو سکتی ہے؟“

اولاً تو ندوہ اور دیوبند کے مقاصد جدا گانہ ہیں اور اس کا بار بار اظہار لیا گیا ہے، ندوہ نے انگریزی تعلیم کو لازمی قرار دیا ہے، حالانکہ علمائے دیوبند کسی طرح اپنے مدرسہ میں انگریزی تعلیم پر راضی نہیں ہوتے، مقاصد متحد بھی ہوتے، تب بھی ایک زمانہ میں دو درس گاہوں کا جلسہ ہونا مشکل کی کوئی دلیل نہیں، مولوی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ ”دونوں آپس میں لڑتے ہیں، تو ہماری اصلاح کیا کر سکتے ہیں“ لیکن ہم ان کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر دونوں مل بھی جائیں تب بھی ان کی اصلاح نہیں کر سکتے،

انگریزی ترجمہ قرآن کے ذکر میں مولوی صاحب موصوف نے ”ندوہ کے متعلق زیادہ نوازش سے کام لیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:-

”اسی وجہ سے مجدد اعظم سرسید رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے ہے کہ انگریزی علوم و فنون کی تعلیم کو مسلمانوں کی تمام دینی و دنیاوی ترقی کا وسیلہ سمجھتے تھے، لیکن افسوس ہے کہ سرسید کی رائے کی مخالفت کی گئی، اور ڈیڑھ اینٹ کی بہت مسجدیں الگ بنائی گئیں، کیا یہ امید ہو ہے کہ ندوہ میں جو شہداء انگریزی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے، اس سے اسلامی علوم کا اعلیٰ درجہ کی انگریزی میں ترجمہ کرنے کا مقصد پورا ہو سکتا ہے؟“

سب سے مقدم سوال یہ ہے کہ علی گڑھ کالج کی خیر خواہی، قوم کی رہبری مسلمانوں کی صلاحات، ان تمام باتوں کا استحقاق کیا مولوی بشیر الدین صاحب کو مجدد اعظم اور ان کے جانشین سے زیادہ حاصل ہے؟ ندوہ جب قائم ہوا تو سرسید مرحوم نے اس کی تائید میں متعدد آرٹیکل لکھے، علی گڑھ میں ایک کانفرنس کے اجلاس میں جس میں خود سرسید مرحوم شریک تھے، نواب محسن الملک نے ایک خاص ریزولوشن ندوہ کے مقاصد کی تائید میں پیش کیا اور نہایت مفصل تقریر کی، سید محمود نے اس ریزولوشن کی پرزور طریقہ سے تائید کی، جس میں یہ بیان کیا کہ ہمارے دو کام ہیں ”دین و دنیا“ ہم نے دنیا کی ترقی کا کام اپنے ذمہ لیا ہے، ندوہ دین کا کام انجام دے رہا ہے، اس لئے ہم کو اس کے مقصد سے پورا اتفاق ہے۔ یہ دونوں تقریریں مفصل ہیں اور کانفرنس کی طرف سے شائع ہو چکی ہیں، سرسید مرحوم کے بعد بھی یہ پالیسی برقرار قائم رہی، دھاکہ کانفرنس میں ندوہ کی تائید کا ریزولوشن دوبارہ پیش ہوا، اور نواب وقار الملک نے نہایت زور کے ساتھ اس کی تائید کی،

کیا یہ واقعات غلط ہیں؟ کیا کانفرنس کی رودادوں میں یہ تحریریں موجود نہیں ہیں، اگر ہیں تو کیا مولوی بشیر الدین صاحب ہم سے اس بات کے خواہاں ہیں کہ ہم سرسید، سید محمود، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک سے بغاوت کر کے مولوی بشیر الدین صاحب کے علم کے نیچے آجائیں؟

لیکن اس سے زیادہ ہمارے لئے یہ مشکل ہے کہ ندوہ کی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جب تعمیر ہو رہی تھی تو خود ہمارے مولوی بشیر الدین صاحب نہایت سرگرمی اور نیاز مندی سے اینٹ اور گارادے رہے تھے، مولوی صاحب موصوف کو غالباً وہ موقع یاد ہوگا، جب کہ کانپور میں ندوہ کے رات کے اجلاس میں مولوی صاحب موصوف شریک تھے اور ان کی دوستی کے جرم میں مولوی ہدایت رسول کی زبان سے جھکو گالیاں سننی پڑی تھیں، پہلے اجلاس کے بعد بھی مولوی صاحب موصوف ایک زمانہ تک ندوہ کے طرفدار اور مداح رہے، ندوہ اگر اپنی اصلی حالت پر نہیں رہا، اور اس وجہ سے مولوی صاحب موصوف نے اس سے کنارہ کیا تو یہ جداگانہ بات ہے، لیکن ڈیڑھ اینٹ کی بنیاد رکھنے کے جرم میں تو وہ ہم گنہگاروں میں برابر کے شریک ہیں،

علی گڑھ یا سرسید کی ہوا خواہی کا یہ کوئی معقول طریقہ نہیں، ہو کہ کسی گروہ پر اعتراض کرنے کے وقت ان کو بیچ میں لایا جائے، اور اس گروہ کو خواہ مخواہ اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ سرسید کے متعلق کوئی بات زبان سے نکالے، یہ تو معلوم ہے کہ یہ طریقہ اس لئے برتا جاتا ہے کہ ندوہ کی مخالفت کا جوش بڑھا دیا جائے، کیونکہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ علی گڑھ کا جے ہوتے ندوہ یا دیوبند کی مطلق ضرورت نہیں ہے، بلکہ ندوہ اور دیوبند قوم کیلئے ضروری ہیں، تو خواہ مخواہ ہوا خواہان ندوہ و دیوبند کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ علی گڑھ کا جے ہماری مذہبی ضرورتوں کو رفع نہیں کر سکتا، اس سے علی گڑھ کی عالمگیری میں فرق آتا ہے، اور طرفداران علی گڑھ نہایت آسانی سے ندوہ اور دیوبند کے دشمن ہو جاتے ہیں،

ندوہ پر جو کچھ اعتراض کرنا ہو بالذات مستقل طور سے کرنا چاہئے، علی گڑھ اور سرسید کو بیچ میں لانا کوئی دیانت دارانہ طریقہ نہیں ہے،

لوم و فنون
ہے کہ سرسید
سکتا
یا یہ امید ہو
اعلیٰ درجہ

نوں کی صدا
ن کے فانی
رد آری کل
نواب محمد
تقریر کی
مارے دو
اکام انجام
ریں مفصل
ی رایت نام
وقار الملک

نہیں ہیں اگر
سید محمود
نیچے آجائیں

اب ہم مولوی صاحب موصوف کی اصل منطق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، مولوی صاحب موصوف فرماتے ہیں:-

”بجد عظیم دسرسید کی یہ رائے ہے کہ وہ انگریزی علوم و فنون کی تعلیم کو مسلمانوں کی تمام دینی اور دنیاوی ترقی کا وسیلہ سمجھتے تھے“

کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ صرف انگریزی علوم و فنون میں کمال حاصل کرنا، اور عربی زبان اور مذہبی علوم سے بے بہرہ ہونا تمام دینی و دنیوی ترقی کا وسیلہ ہو، اگر یہ مطلب ہے تو یہ شخص تہمت ہے کہ سرسید مرحوم کا یہ خیال اور یہ رائے تھی، سرسید کے زبان دان اب بھی موجود ہیں اور مجھ کو ہرگز توقع نہیں کہ لو اب وقار الملک اور ارکان کالج اس رائے کو سرسید کی طرف منسوب کرنے پر راضی ہوں گے،

لیکن اگر اس فقرہ کا یہ مطلب ہے کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ عربی اور مذہبی تعلیم میں کامل ہونا، تمام دنیوی اور دینی ترقی کا وسیلہ ہے تو بالکل اور سرتاپا سچ ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا کالج کا یہ دعویٰ ہے کہ اس نے مذہبی علوم کی تکمیل کا سامان مہیا کیا ہو، کالج تقریباً چھتیس برس سے قائم ہے، اس کا مذہبی نصاب چھپا، ہوا موجود ہے، آگے چل کر جو کچھ ہو گا اس سے بحث نہیں، لیکن اس وقت تک تو جو کچھ اُس میں مذہبی تعلیم ہے اسی شد بد کے برابر ہے جس قدر ”ندوہ“ میں انگریزی تعلیم ہے،

جس طرح مولوی ذکار اللہ صاحب مرحوم سے ایک انگریز نے پوچھا کہ آپ کو انگریزی زبان آتی ہے؟ مولوی صاحب مرحوم نے فرمایا ہاں، اس قدر جس قدر آپ کو اردو آتی ہو، سرسید مرحوم نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا، کہ وہ کالج میں، فقہ، حدیث، تفسیر، اصول کی کامل تعلیم دیتے ہیں، ۳۶ برس کی وسیع مدت میں کالج نے کوئی مذہبی عالم نہیں پیدا کیا

اور یہ کالج کی کوئی تحقیر نہیں، کالج تقسیم عمل کے حصول پر کام کر رہا ہو، جیسا کہ سید محمد موم نے اپنی تقریر میں کہا تھا، اور یہ کام کرنے کا سب سے بہترین طریقہ ہے،
فرض کرو، اگر یہ سوال کیا جائے کہ کالج مردہ شو، کفن دوز، خصال، گورکن پیدا کرتا ہے یا نہیں؟ تو کالج کی درود یو اربول اٹھے گی کہ نہیں، لیکن اگر یہ سوال کیا جائے کہ مسلمانوں کے لئے جنازہ خوانوں اور موزوں کی ضرورت ہے یا نہیں؟ تو مولوی بشیر الدین صاحب کے سوا اور کسی کو اختلاف نہ ہوگا،

اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ندوہ اور دیوبند موزن اور جنازہ خواں پیدا کرتے ہیں تو کیا علی گڑھ کالج اس حق کو ان سے چھین لینا پسند کرے گا؟ یا یہ کہے گا کہ نہیں یہ بالکل غیر ضروری کام ہیں، اگر یہ دونوں باتیں نہیں ہیں، تو ندوہ اور دیوبند سے اس قدر کیوں غلامی؟ یہ بیچارے غریب اپنے جھوٹوں میں بسر کرتے ہیں، تخت و تاج والوں کو غریبوں کے ستانے سے کیا فائدہ؟

ابھی تک مسلمانوں کا احساس باقی ہو، وہ ابھی ندوہ اور دیوبند کو ضروری سمجھتے ہیں، مولوی بشیر الدین صاحب کو ذرا انتظار کرنا چاہئے، جب مذہبی احساس بالکل فنا ہو جائیگا، جب انگریزی تعلیم مذہبی تعلیم کو بالکل دبائے گی، جب ہر مذہب میں قرآن کے بجائے دارون اور سیکس کی تصنیفات ہوں گی، جب ایسے لوگ کثرت سے پیدا ہو جائیں گے، جو یہ کہتے ہوئے (اور ایسے لوگ موجود ہیں) کہ اگر کعبہ اور مدینہ پر کسی یورپین سلطنت کا قبضہ ہو جائے تو زیادہ بہتر ہو تو مولوی صاحب موصوف کی آرزو پوری ہو جائے گی، اور ندوہ و دیوبند وغیرہ کے کانٹے اسلامی چین زار سے خود نکل جائیں گے،

”ندوہ“ جو کام کر رہا ہے جس قسم کے قابل طلبہ پیدا کر رہا ہے، جس درجہ کے

مولوی صاحب

ناؤ

دورانی زبان
بجے تو یہ شخص

بھی موجود
کو سرسید کی

یلم میں کابل
ہے کہ کیا

اچھتیں برس
سے بحث
ہے جس قدر

پ کو انگریز
رواتی ہو

اصول کی
پیدا کیا

ماہر عربیت طالب علم اس نے پیدا کر دیئے ہیں، البشیر کی ہنگامیں اس کے اندازہ کرنے کے قابل نہیں، کم از کم اس کے لئے ڈاکٹر ہارویز دجرمنی، پروفیسر علی گڑھ کالج کا علم اور انصاف پسندی درکار ہے، جنھوں نے ابھی حال میں ندوہ کے پرنسپل کا اورل تقریری امتحان لیا ہے، اور جس کے متعلق انھوں نے طالب العلم کی لیاقت پر ایک گونہ تعجب ظاہر کیا ہے، اور ہم کو ایک خاص خط لکھا ہے،

ہم نے اکثر البشیر کے حملوں کے جواب میں خاموشی اختیار کی تھی، کیونکہ ہم کو معلوم ہے، کہ کیا ذاتی کاوشیں ہیں جن کی وجہ سے البشیر کا طرز عمل ہمارے ساتھ حیدر آباد کے زمانہ قیام کے بعد بدل گیا ہے، لیکن پیلیک اس قدر ضعیف الاعتقاد ہے کہ اسکو ہر بات پر یقین آجاتا ہے اس لئے البشیر جس قدر غلط فہمیاں پھیلاتا چاہتا ہے پھیلا سکتا ہے، اس بنا پر نہایت سخت بخودی سے ہم کو کبھی کبھی البشیر کے مقابلہ میں لکھنا پڑتا ہے، اور خدا پاک کی قسم ہے کہ میرے لئے اس سے زیادہ کوئی چیز ناگوار نہیں،

البشیر میری قدر دانی کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ ایسا شخص جو صدیوں میں پیدا ہو سکتا ہے "ندوہ" میں رہنے سے بیکار ہو گیا، لیکن میں اپنی قدر آپ خود سمجھ سکتا ہوں میں کیا چیز ہوں؟ میری حقیقت کیا ہے؟ میں اگر اپنے آپ کو ارباب کمال کی صفِ نعال میں بیٹھنے کے قابل سمجھوں تو مجھ سے زیادہ کوئی نالائق نہیں، لیکن بہر حال جو کچھ ہوں "ندوہ" ہی کے چھوٹے بچے کے لئے موزوں ہوں، ۷

تو طوبے و ما و قامت دوست

منکر ہر کس بہت در بہت دوست

(۱۹ فروری ۱۹۱۲ء)

مولوی عبدالکریم صاحب کی معطلی

اور

مولانا عبدالحی صاحب

جناب مولوی عبدالحی صاحب! آپ نے مسلم گزٹ میں اس امر سے براہ ظاہر کی ہے کہ آپ مولوی عبد الکریم صاحب کی معطلی میں شریک مشورہ نہ تھے، مولانا جو رواد جلسہ انتظامیہ مورخہ ۹ مارچ ۱۹۱۳ء شائع ہوئی ہے، اس میں ریزولوشن کی یہ عبارت ہے:-

”اس جلسہ کے نزدیک مولوی عبد الکریم صاحب کا مضمون مسئلہ جہاد جو الندوہ بابتہ جون ۱۹۱۲ء میں شائع ہوا، اس کا ردوائی کا سرور نہ تھا، جو متمدن صاحب العلم نے بشورہ مولوی عبدالحی صاحب و مولوی ظہور احمد صاحب کی، اور یہ جلسہ یہ امر ضروری سمجھا، کہ مولوی عبد الکریم صاحب سے یہ تینوں حضرات تحریری معافی مانگ جو نقصانات ان کو ان کی شہرت وغیرہ کے متعلق اس کا ردوائی سے پہنچے ہیں تلافی کرنا“ اس تجویز کی تائید مولوی اعجاز علی صاحب نے کی مولوی محمد نسیم صاحب نے ترمیم کی کہ اس تجویز کا آخری حصہ جو معافی و تلافی کے متعلق ہے، اس کو نکال ڈالا جائے، اسکی تائید مولوی

نے کے

انصاف

ن، امتحان

بیا ہوا، او

م ہے کہ

بقیام کے

باتا ہے

عہد پاک

ہو سکتا ہے

وں؟

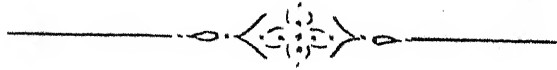
کے قابل

لے جھوٹے

لئے

عبدالباری صاحب نے کی، اور باتفاقِ آراء ترمیم پاس ہوئی،
 یہ ریزولوشن بہ ترمیم تحریک مقامی پاس ہوا، آپ بھی اس جلسہ میں موجود تھے،
 کیا جلسہ انتظامیہ کی یہ کارروائی جس میں نہایت کثرت سے ممبر شریک تھے، اور جو خود آپ کے
 زیرِ اہتمام شائع کی گئی ہے، غلط سمجھی جائے؟ اور کیا اس میں اتفاقِ آراء کا لفظ غلط ہے؟ اور
 مولوی عبدالباری صاحب نے اپنی شہادت میں یہ الفاظ بیان کئے ہیں؟۔
 ”اس پر مولوی شبلی صاحب نے فرمایا کہ اچھا آپ (مولوی عبدالحی صاحب)
 معطلی کا حکم لکھیں، مولوی عبدالحی صاحب نے منظور کیا“
 کیا یہ الفاظ غلط ہیں؟

(۴ جون ۱۹۱۳ء از وکیل)



وجود تھے
جو خود آپ کے
طے ہے ۱۹

ب

مولانا عبد الباری کی شہادت

الندوہ کے مضمون کے متعلق میرے خلاف جو طوفان برپا کیا گیا، اس کے متعلق میں اب اس وجہ سے کوئی مفصل تحریر شائع نہ کر سکا کہ سخت بیمار تھا، اس کے علاوہ ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ جس قدر تحریریں مخالفت میں لکھی تھیں، کسی ذمہ دار اور شریک واقعہ شخص کی نہ تھیں اس لئے میں ان لوگوں کے مقابلہ میں کچھ لکھنا بے سود سمجھتا تھا، لیکن اب مولوی عبد الباری نے مسلم گزٹ میں اپنا مفصل بیان درج کرایا ہے، مولوی جیسا موصوف کا بیان متعدد وجوہ سے قابلِ لحاظ ہے،

(۱) وہ میرے مخالف گروہ کے ایک بہت بڑے ممبر ہیں، اور اس واقعہ کو بدنامی میں پھیلانے میں ان کی کوششوں کو خاص دخل ہی، اسی کے ساتھ مولوی عبد الکریم صاحب کی معطلی وغیرہ کے متعلق جو غیر معمولی اجلاس ندوہ کا ہوا تھا، اس کے پانچ ممبروں میں سے ایک مولانا بھی تھے، اور جو کارروائیاں اس وقت تک عمل میں آئیں ان میں شریک تھے لیکن انکی نسبت لوگوں نے یہ تاویل کی کہ ان کو دھمکی یا فریب دیکر اپنا ہمزبان بنالیا تھا، ان اسباب سے

۱۵ یہ بات ہر حال میں لحاظ کے قابل ہے کہ ۱۹۱۳ء کو ندوہ کا جو جلسہ تنظیمیہ اس معاملہ کے متعلق منعقد ہوا، اس میں مولانا شریک تھے، اور اس جلسہ کی کارروائی چھپ کر شائع ہو چکی ہے، اس میں مولانا کی کوئی کارروائی درج نہیں حالانکہ وہ روداد میری طرف سے نہیں شائع ہوئی تھی، بلکہ مولوی فیصل الرحمن کے دفتر سے شائع ہوئی، جو مولوی عبد الکریم صاحب کے سب سے بڑے حامی اور ان کے مرنے والے ہیں،

ان کی شہادت کے متعلق میں ایک مفصل تحریر شائع کر سکوں گا،

اس معاملہ میں جو فرد قرار داد جرم میرے اوپر قائم ہے، اس میں سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ میں نے دیگر ارکان (شریک فیصلہ مقدمہ) کو دھمکی دیکر اپنا ہم زبان بنالیا، اور تمام امور اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ کر لئے، چنانچہ لکھنؤ سے ایک لوکل اخبار میں ایک ڈیوڑھی نوٹ اس سرخی سے نکلا تھا، ”مولانا شبلی کی دھمکی“

اصول شہادت کے متعلق اس واقعہ کی تحقیق کا اصل ذریعہ یہ تھا کہ خود ان لوگوں سے دریافت کیا جاتا، جن کی نسبت بیان کیا جاتا ہو کہ میں نے ان کو دھمکی دی، یا ان کو مجبور کیا، لیکن سپیکٹ اس درد سر کی کیا ضرورت تھی، بعینہٴ یہ ہے کہ یہ تکلیف مولانا نے خود گوارا کی، مولانا کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے، ”اور یوں بھی ہم ارادت مند قیاس کر سکتے تھے کہ مولانا کی ذات گرامی مختلف شئون حیثیات رکھتی ہے، ایک وہ عالم ہے کہ“ بالملکوتیاں نہ پر دانتے، اس شان کو مولانا ان الفاظ میں ظاہر فرماتے ہیں۔

”اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگوں نے تمام تعلقات حکومت سے قطع کر دیئے ہیں، مگر آپ لوگوں کا طرز عمل ایسا نہیں ہے، آپ اُن کی خوشنودی کے محتاج ہیں، بلا رو رعایت جو امر حق ہو اسکو ظاہر کروں، چاہے وہ گورنمنٹ کے موافق ہو یا مخالف۔“

دوسرا وہ عالم ہے جس میں مولانا اس درجہ سے تنزل کر کے عالم ناسوت میں تشریف لاتے ہیں، اس شان کو مولانا نے ان الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے:-

”اس واسطے اگر یہ معاملہ فرنگی محل کا ہوتا تو میں کوئی پروانہ کرتا، مگر ”ندوہ“ کا معاملہ

ہونے کی وجہ سے مجھے بہت سوچ کر لئے قائم کرنا پڑا۔“

لیکن بہر حال یہ دونوں شئون بذات خود قائم ہیں، اس کو کسی کی دھمکی اور ڈرواؤ سے کوئی

واسطہ نہیں، مولانا نے اگرچہ اپنی شہادت میں حسن تاویل اور شان نزول کی تفصیل سے بہت کام لیا ہے وذلک نشان العلم اذ توسع وتفنی، تاہم اصل معاملہ پر اس سے بہت کچھ روشنی پڑتی ہے اصل بحث یہ ہے کہ جو تجویزیں منظور ہوئیں، وہ مولانا نے بھی منظور فرمائی تھیں؟ یا نہیں؟ اس امر سے بحث نہیں کہ منظور کرنے کا شان نزول کیا تھا، اور مولانا نے اسے متعلق کیا کیا گفتگو فرمائی تھی؟ کیونکہ یہ تو بہر حال مسلم ہے کہ مولانا جس شان سے ”ندوہ“ کے ممبر ہیں، او ”ندوہ“ کے جلسوں میں تشریف لاتے ہیں، وہ بالکویتیاں پر داخے، والی شان نہیں، اس میں مصارج وقت، ضروریات زمانہ، مکروہات گرد و پیش سب کا خیال رکھنا پڑتا ہی، اور اسی عالم میں ہلوگوں کو جناب کی ہم بڑی کا شرف حاصل ہے، ادویوں تو فرشتگانِ بابل بھی پہلے غنیمت منگتے تھے کہ مولانا کا عذر کرتے ہیں لیکن درخواست کتدہ کے اصرار و خواہش پر بہر حال جادو سکھا ہی دیتے ہیں،

معاملہ زیر بحث میں سب سے زیادہ پیلاک کی ناراضی اس بات پر ہے کہ گورنمنٹ کو اس معاملہ کی خبر کیوں کی گئی؟ اور اس کو بد اخلت کا موقع کیوں دیا گیا؟ اور حقیقت میں یہی چیز ہے، جو دیگر اور تمام کارروائیوں کا سنگ بنیاد ہے، گورنمنٹ کے خبر کر دینے کے بعد بقیہ تمام کارروائیاں خود بخود ضروری تھیں، چنانچہ خود ان ممبروں کے ہاتھ سے انجام پائیں، جو میری مخالفت پارٹی کے قائد العسکر ہیں، اس کے متعلق مولانا ارشاد فرماتے ہیں:-

”اس کے بعد مولوی شبلی صاحب نے الندوہ کے مضمون جہاد کا ذکر چھیڑا اور فرمایا کہ اس

بات میں کیا رے ہے؟ اس کی اطلاع حکام کو کی جائے یا نہ کی جائے؟ اس کے جواب میں میں نے کہا کہ حکام کو چاہیں آپ اطلاع کریں یا نہ کریں ایسے امور کی اطلاع ہو ہی جاتی ہے۔“

پہلے یہ گزارش ہے کہ واقعہ کی یہ صورت نہیں، اور چونکہ مولانا کے عالمِ قدس کا بیان نہیں ہے

بڑا جرم یہ ہے کہ
اور تمام امور پر
ڈیوٹرل نوٹ اس

ن لوگوں سے دریافت
کیا، لیکن پیلاک
کی
سکے تھے کہ مولانا
تیاں نہ پر دیا

دیئے ہیں

ہیں، بلا

مخالفت۔“

ت میں تشریف

کا معاملہ

و رد و اس کے

اس لئے سہو و نسیان کا ہونا ناممکن ہے، واقعہ کی یہ صورت ہے کہ جب جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی تو سب سے پہلے میں نے تمام ارکان موجودہ کو مخاطب کر کے کہا کہ اس معاملہ میں کارروائی کرنے کے دو طریقے ہیں، اور غور کر لیجئے کہ آپ لوگوں کو دونوں میں سے کون طریقہ اختیار کرنا چاہئے، ایک یہ یقین ہے کہ آپ مولوی عبد الکریم صاحب کی نسبت جو کچھ کرنا چاہیں، بطور خود کر لیں اور اس کی کارروائی دفتر میں موجود رہے، تاکہ اگر کبھی گورنمنٹ استفسار کرے، تو جواب دینے کا موقع حاصل رہے،

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ گورنمنٹ کو خبر کریں لیکن اس میں یہ احتمال ہے کہ مضمون کا وہاں ترجمہ کر لیا جائے، اور ممکن ہے کہ کوئی مترجم غلط ترجمہ کرے، اس صورت میں مضمون ممکن ہے کہ خطرناک ہو جائے،

میری اس تقریر پر مولانا نے فرمایا کہ ”آپ سمجھتے ہیں کہ اس مضمون کا ترجمہ ایسا ہوگا جو کہ ہوگا، یا نہ ہوگا، یا ہوگا“ مولانا کے ساتھ اور تمام ارکان نے بھی تائید کی صدا میں بلند کیں، اور آخر طے ہوا کہ، ڈپٹی کمشنر صاحب کو اسکی اطلاع دیجائے، لیکن اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ تقریر کی وہی صورت تھی، جو مولانا نے بیان کی تاہم اس سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ گورنمنٹ تک اس معاملہ کو پہنچانا مولانا کے نزدیک چنداں جرم نہ تھا، اور بہر حال وہ تجویز درج کارروائی کی گئی، تو مولانا نے اس سے اپنی برأت نہیں فرمائی،

تجاویز منظور شدہ میں دوسرا امر یہ تھا کہ مضمون مذکور مذودہ کے مقاصد و اغراض کے خلاف ہے،

جو لوگ مذہبی حیثیت کی وجہ سے اس معاملہ میں سخت ناراضی کا اظہار کر رہے ہیں،

اُن کی برہمی کی وجہ یہی ہے کہ اُن کے نزدیک مضمون مذکور ایک مسئلہ مذہبی ہے، اس کو مقاصد اور اغراضِ ندوہ کے خلاف کہنا کس قدر افسوسناک ہو!
جناب مولانا کی شہادت اس مسئلہ کے متعلق یہ ہے:-

”میں خود اس کے متعلق دوسری رلے رکھتا ہوں، مگر موجودہ زمانہ کے اعتبار سے او مضمون جہاد ہونے کے باعث ایسے مضامین کی اشاعت ندوہ کے مقاصد و اغراض کے خلاف ہے، اور اس لئے بھی ضرور خلاف ہے کہ اس کے لئے گورنمنٹ سے پانچ سو روپے بہت غنیمت ہیں۔“

مولانا کا پہلا فقرہ کہ ”میں خود اس کے متعلق دوسری رلے رکھتا ہوں“ یہ تو وہی عالمِ قدس کی واردات نہیں لیکن ہم کو اس عالم سے بحث ہے جس میں مولانا عالمِ ملکوت سے تنزل فرما کر ندوہ کے ارکان میں شامل ہوتے ہیں، اور ندوہ کی تجاویز اور ریزولوشن وغیرہ منظور کیا جائے فرماتے ہیں، اس عالم میں مولانا کا بھی ارشاد یہی ہے کہ ایسے مضامین کی اشاعت ندوہ کے مقاصد و اغراض کے خلاف ہے، اگرچہ افسوس ہے کہ ندوہ کے اغراض و مقاصد جو علیحدہ چھپ کر شائع ہو چکے ہیں، اس میں اس مقصد کا جو مولانا بیان کرتے ہیں، کہیں ذکر نہیں مولانا نے اس سے اوپر کی عبارت میں ایک موقع پر فرمایا ہے:-

”ندوہ کی غرض اگر صرف تعلیم دینی ہوتی تو کوئی پروا نہ تھی، مگر اس وقت اس کے مقاصد میں گورنمنٹ کا خوش رکھنا بھی ہو۔“

ندوہ کے اغراض و مقاصد جو کل پانچ ہیں ایک چودہ قرعہ پر طبعی خط میں چھپ کر کثرت سے شائع ہو چکے ہیں، اور اب تک شائع ہوتے رہتے ہیں مولانا کئی برس سے ندوہ کے ممبر ہیں، اور اکثر جلسوں میں شریک ہوتے رہے ہیں، اور ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے، جب مولانا کی

زدائی شروع ہوئی
روائی کرنے کے

ناچا بیٹے،
بطور خود کر لیں
و جواب دینے

ہے کہ مضمون جہاد
مضمون ممکن

جہاد بتک ہو چکا
بلذکیں، او

بان کی تاہم
نے نزدیک
س سے اپنی

اغراض

رہیں

بعض ناکام کوششوں سے لوگوں کو یہ امید بندھ رہی تھی کہ اس کی سگریٹری شپ کو عزت دینے کے لئے آمادہ ہیں، اس لئے مولانا کی خدمت میں بہ ادب گزارش ہے کہ گورنمنٹ کا خوش رکھنا بندہ کے مقاصد چمکانے میں سے کون سا مقصد ہے؟

آخر بحث مولوی عبدالکریم صاحب کی معطلی کی ہے، اس کی نسبت مولانا ایک طویل طویل تقریر کے بعد فرماتے ہیں:-

”میں نے کہا معطل کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے اس پر بحث ہونے سے معلوم ہوا کہ ناظم کو اختیار ہے، اس پر مولوی شبلی جی نے فرمایا کہ اچھا آپ مولوی عبدالحی صاحب معطلی کا حکم لکھیں، مولوی عبدالحی جی نے اسکو منظور کیا میں ہرگز نہیں سمجھ سکتا ہوں کہ معطلی کس طرح ہماری طرف منسوب ہو گئی“

مولانا کی اس تصریح سے اس قدر ثابت ہو کہ معطلی کا حکم دینا مولوی عبدالحی صاحب نے منظور کیا تھا، ان کو وجہ اس کے کہ نائب ناظم ہیں، یہ اختیار حاصل تھا لیکن مولانا کو شاید یہ معلوم نہیں کہ جب کسی انجن کا کوئی عہدہ دار اپنے حدودِ جواز سے انجن کے اجلاس میں بحیثیت اپنے عہدہ کے کوئی حکم دیگا، تو وہ انجن کی طرف سے سمجھا جائیگا، جب تک کہ کوئی ممبر اس حدودِ جواز کا منکر نہ ہو یا ممبری سے کنارہ کش نہ ہو جائے،

آخر میں مجھکو سخت تعجب یہ ہے کہ مولانا کی اس قدر مفصل شہادت اور بیانات کا جلسہ انتظامیہ ۹ مارچ ۱۹۱۳ء کی روداد میں جس میں مولانا شریک تھے اور چھپ کر شائع ہو چکی تھی کہیں ذکر نہیں ہے، مولانا کو یہ بیانات یا اس کے اہم ٹکڑے اس جلسہ کی روداد میں درج کرانے چاہئیں تھے تاکہ سب پر بحث ہو سکتی، روداد مذکور سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ دیگر ایک خاص لفظ کے (باقی تمام ارکانِ خمسہ تمام کارروائیوں میں شریک تھے، اور اس لئے

ان کارروائیوں کے متعلق جہاں لکھا گیا ہے کہ کالعدم قرار دی گئیں، وہاں یہ الفاظ ہیں:-

”اس جلسہ کی کارروائی میں کل کارروائی جلسہ غیر معمولی منعقدہ ۸ جنوری ۱۹۱۳ء کو کارروائی

مقدمہ صاحب دارالعلوم نسبت علی مولوی عبدالکریم صاحب خلاف دستور العمل مذکورہ لکھا

بغیر کسی اختیار کے عمل میں لائی گئی ہے، لہذا کالعدم سمجھی جائے۔“

عبارت مذکور میں یہ امر بھی خصوصیت کے ساتھ قابلِ ملاحظہ ہے کہ اس جلسہ نے جلسہ غیر معمولی

کی جو کارروائی کالعدم قرار دی گئی وہ یہ نہیں بیان کی کہ وہ نامناسب اور سب اور سچا تھی، بلکہ

یہ بیان کہ دستور العمل کے رو سے اس جلسہ کو اس کارروائی کا اختیار حاصل نہ تھا، کیونکہ دستور العمل

کے رو سے جلسہ انتظامیہ کے سوا کسی جلسہ کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہو، اور جلسہ انتظامیہ کیلئے

سات ممبروں کے جمع ہونے کی شرط ہے اور اس جلسہ غیر معمولی میں صرف پانچ ممبر شریک تھے،

بہر حال مولانا کے اظہار سے کچھ نہ کچھ اصل حقیقت ظاہر ہوتی ہے، اور اگر بقیہ ارکان

اربعہ بھی اپنے بیانات شائع کر دیں تو اصل حقیقت قطعاً منکشف ہو جائیگی، اور اب تک

تو جن لوگوں نے جو کچھ بطور شہادت کہا ہے، سب وہ لوگ ہیں جن کا بیان اسراقِ سمیع سے

زیادہ نہیں،

(۲۴ مئی ۱۹۱۳ء از وکیل)

عزت دینی
کا خوش رکھنا

یک طول

دم

کا

ع

ماحب نے

ید می معلوم

پنے عند

ہا منکر ہو

کا جلسہ

نہ ہو جی

واد

و کہ

لے

اسٹرایک کا سبب کن تھا ؟

اسکندریہ کا کتب خانہ قدیم جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے قائم ہوا تھا، عیسائیوں نے عہدِ ظلمت میں برباد کر دیا، لیکن جب اس بدنامی کا احساس ہوا تو اس الزام سے بچنے کا سبب بڑا حیلہ جو انھوں نے ایجاد کیا وہ اس الزام کا مسلمانوں کے سر منڈھ دینا تھا، چنانچہ ایک مدت تک تمام یورپ میں یہ اتہام اور افتراء صدے حق بن کر گونجا گیا،

اسٹرایک کی تحقیق کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے طلبہ کا خود اظہار لیا جاتا، پھر مدرسین کی شہادت لی جاتی، جو ہر حیثیت سے اعتبار کے قابل تھی، طلبہ نے مدرسین کو عرض حال میں اپنا فریق بنا لیا ہے، مدرسین کی ایک کافی جماعت ہے ان میں متعدد ایسے ہیں، جن کا صدق اور راستی بے لوث ہونے پر خود مخالفت پارٹی کو بھی اتفاق ہے، اس بنا پر ان کا بیان ہر پر طلبہ کی جانبداری سے آزاد ہوتا، اس کے ساتھ ان شکایتوں کی تحقیق کی جاتی جو طلبہ نے پیش کیں جن سے اندازہ ہو سکتا کہ وہ اسٹرایک کا سبب ہو سکتی ہیں یا نہیں ؟

لیکن ان سب کے بجائے صرف یہ کیا گیا کہ دو خط پیش کئے گئے جن سے یہ ثابت کیا گیا کہ اسٹرایک کا محرک اور بانی فلاں شخص یعنی ”میں“ تھا،

پہلا خط عبدالسلام کا ہی جو ایک فارغ التحصیل طالب العلم کے نام ہے اس خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ خط ”میرے“ ایمار سے لکھا گیا، بے شبہ یہ خط نہایت بیہودہ، سیفہانہ

بلکہ مجنونانہ ہے، میں نے اصل خط اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے، لیکن بہرِ نفع جس کا خط ہو
میں صرف یہ کہنا کافی سمجھتا ہوں کہ اگر یہ خط میرے ایمار سے لکھا گیا، یا اب بھی میں اسکو جاسمجھتا
ہوں تو میں دائرہ اسلام سے خارج ہوں، لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی الْكَافِرِیْنَ

دوسرا خط خاص میرا ہے، اور بے شبہہ مجھ کو تسلیم ہے کہ وہ میرا ہی، لیکن یہ ظاہر ہے
کہ اس کو اسٹرایک سے کوئی تعلق نہیں، ہر چنانچہ وہ خط دفترِ نظامت نے رو دیا میں شائع
کر دیا ہے، اسکو پڑھ کر شخص اندازہ کر سکتا ہے، کہ اس میں ندوہ کے اصلاح کے طریقہ عمل کے سوا
اور کچھ نہیں، بے شبہہ یہ میرا خط، میری رائے اور میری استدعا ہے لیکن میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس
خط کو اسٹرایک سے کیا تعلق ہو سکتا ہے! اسٹرایک کا اصل سبب دریافت کرنا ہو تو ندوہ کے
موجودہ دور کے سلسلہ واقعات کو پیشِ نظر رکھئے، دارالعلوم کے طلبہ میں سے ایک ایک کچھ
جانتا اور سمجھتا ہو کہ وہ قدیم عربی مدارس اور کسی انگریزی اسکول کو چھوڑ کر ندوہ میں کیوں پڑھتا
ہے، وہ جانتا ہے کہ ندوہ کا نصب العین دونوں سے کوئی ایک چیز یا دونوں کا مجموعہ ہے،
طلبہ اس طرزِ تعلیم اور ان خیالات کے مدت سے عادی ہو چکے تھے، جن صاحب کے ہاتھ میں
اب ندوہ کی باگ ہے، طلبہ ایک مدت سے ان کے مبلغِ علم، ان کے اشتغال، ان کے مزاج،
ان کے اندازِ طبیعت سے واقف تھے، طلبہ یہ بھی جانتے تھے کہ مجلس انتظامی خود کوئی چیز نہیں
بہت ناظم جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے، ایسی حالت میں انھوں نے دیکھا کہ دفتر ان کی قسمت کس
شخص کے ہاتھ میں آگئی ہے لیکن انتظامی امور میں کچھ دخل دینا ان کے منصب سے بالاتر تھا،
اس لئے انھوں نے خاموشی کے ساتھ گوارا کیا، لیکن چند ہی روز کے بعد انھوں نے دیکھا کہ
طرزِ تعلیم بالکل بدل گیا ہو، عربی تقریر کرنے کی مشق مسائلِ علمی پر خطبہ دینا، جدید زبان عربی
کے وسائل تحصیل، فنِ تفسیر کے ساتھ خاص اعتنا، یہ سب مفقود ہو گیا ہے، وہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ

عیسائیوں نے
بچے کا سب سے
پنایہ ایک

مدیرین کی
مال میں اپنا
کا صدق
بیان ہر
طلبہ نے

ت کی گیا

خط میں

میفہانہ

پرنسپل کے اختیارات بالکل فنا ہو گئے ہیں، اور سب بڑھکر یہ کہ مجلس دارالعلوم، جو تعلیمی نصاب کی ذمہ دار ہے اور وہی ہر قسم کے تعلیمی انتظامات کا حق رکھتی ہے، اس کا اجلاس بھی آج تک نہ ہوا بلکہ صرف ایک ذات واحد خود مختار اندوہ کے تعلیمی اوراق اٹ پلٹ رہی ہے،

یہ خود مختاری اس حد تک پہنچی کہ بخاری شریف کا سبق جو طلبہ مدرسہ سے باہر رہتے تھے روک دیا گیا، یہ حکم اس قدر ناموزوں تھا کہ جب پرنسپل صاحب سے اس کی تعمیل کرانے کے لئے کہا گیا تو وہ کئی دن تک لیت لعل کرتے رہے، اور خود مجھ سے آکر کہا کہ میں کیا کروں، مجھکو یہ حکم دیا جاتا ہے، میں نے کہا کہ آپ ناظم صاحب سے تحریری حکم لکھو ایسے اور اسکی تعمیل کیجئے لیکن حکم دینے والا اس حکم کی ناموزونی کا خود دل میں احساس کرتا تھا، اس لئے پرنسپل صاحب سے کہا گیا کہ آپ خود تحریری حکم دیدیں، مجبور ہو کر انھوں نے تحریری حکم دیا، چونکہ بخاری شریف کا سبق ”میں“ پڑھاتا تھا، اور خاص میرے نام سے حکم دینا مصلحت کے خلاف تھا اس لئے یہ حکم اس صورت میں دیا گیا کہ طلبہ کوئی سبق کسی سے خارج از مدرسہ نہ پڑھنے پائیں بہت سے طلبہ ایسے تھے جو باہر کے استادوں سے اپنی نافرمانہ کتابیں پڑھتے تھے، بہت سے ایسے تھے جو اپنی صف میں کمزور ہونے کی وجہ سے باہر کے اساتذہ سے سبق کا اعادہ کرتے تھے، اس امتناعی حکم نے دفعۃً طلبہ کے ایک گروہ کثیر کو تحصیل علم سے محروم کر دیا، طلبہ کے سامنے اب یہ مناظر پیش نظر ہیں، بخاری کا مقدس درس صرف ایک شخص کی ضد سے روکنا گیا، جو طلبہ تمام بیرونی اسباق سے روک دیئے گئے ہیں، اور یہ حکم دیا گیا ہے، کہ جو طلبہ بخاری شریف پڑھنے جاتے ہیں، ان کا نام مدرسہ سے خارج کر دیا جائے، طلبہ عاجزانہ درخواستیں دے رہے ہیں، اور کچھ شنوائی نہیں ہوتی، طلبہ مقامی ارکان کے پاس جاتے ہیں، اور ہر جگہ صدمے دور باش آتی ہے،

۲۰ چھ دفعہ تعلیم میں

عین اسی حالت میں مولود شریف کا زمانہ آیا، اور طلبہ نے جیسا کہ ہمیشہ سے معمول تھا، مولود شریف کرنا چاہا، لیکن اس خیال سے کہ مولود شریف میں بیان کروں گا، وہ مولود سے روکے گئے، اور تین دن تک یہ مرحلہ رہا، آخر لوگوں نے سمجھایا کہ مولود کے روکنے سے شہر میں برہمی پھیلے گی، مجبوراً چند شرطوں اور قیدوں کے ساتھ مولود کی منظوری دی گئی، اس کے بعد اور اور واقعات پیش آئے، جو اخبارات میں آچکے ہیں، کیا یہ تمام واقعات اس بات کے لئے کافی نہیں کہ طلبہ ایسے جابرانہ احکام گوارا نہ کر سکیں، یہ ایمانا کہتا ہوں کہ میں نے طلبہ کو اسٹرائک سے روکا، بخاری شریف کا جب سبق بند کیا گیا، تو عبدالحق ایک طالب علم میرے پاس ہوا آیا، اور نہایت دردناک لفاظی میں بولا کہ اب پانی سر سے گزر چکا، لیکن میں نے انکو سمجھایا کہ صبر و تحمل سے کام لو، اور اس قسم کی باتیں نہ کرو، عبد السلام کا خط بعض اخباروں میں چھپ چکا تھا، اور میں اس سے واقف ہو چکا تھا، ایک اور طالب العلم کو بھی میں نے سمجھایا کہ تم اسٹرائک کا ہرگز خیال نہ کرو، ورنہ میری نسبت سے ظن پیدا ہوگا، وہ اس وقت خاموش ہو گیا، دوبارہ مولود کے واقعہ کے وقت آیا، اور پھر میں نے اس کو سمجھایا، اس نے کہا کہ ہم آپ کی بدنامی کے ڈر کے مارے کب تک اپنے مذہب و ردین کی توہین گوارا کریں گے۔

اب ان واقعات پر غور کیجئے کہ ندوہ کے طلبہ دولت مند اور خوش حال نہیں ہیں، ۲۰-۲۲ لڑکے بالکل نادار ہیں، جو ندوہ سے وظیفہ پا کر بسر کرتے ہیں، باقی ایسے ہیں کہ بشکل چھ روپیہ مہینہ کھانے کی قیمتیں ادا کرتے ہیں، ان کو معلوم تھا کہ اسٹرائک کے ساتھ وہ وقفہ مالی مدد اور ہر قسم کے آرام سے محروم ہو جائیں گے، نادار طلبہ کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوگا، تعلیم و تعلم کا سلسلہ بالکل بند ہو جائیگا، شہر میں ان کا کوئی خبرگراں اور حامی نہیں، اس لحاظ میں کیا صرف عبد السلام کا خط یا میری کنکشن انکو ایسی حیرت انگیز خودکشی پر آمادہ کر سکتی تھی

مجموعی نفاذ
آج تک ہوا

ہر رہتے تھے
کرانے کے
لیا کروں، مجھ کو
اسکی تعمیل کیجئے
برسپل صاحب
جو نہ بخاری
خلافت تھا
سننے پائیں
تھے، بہت سے
اعادہ کرتے
دیا، طلبہ کے
سے روکنا
جو طلبہ بخاری
نہ درخواستیں
اور مرحلہ

پھر یہ خود کشی ایک دودن کی نہ تھی، بلکہ پورا ایک مہینہ ہو چکا ہو، اور اب تک قائم ہی
 زمانہ میں طلب حقوق کی جو عام ہوا چل رہی ہو، اسٹرا ایک کے عظیم الشان واقعات جو
 علی گڑھ، آگرہ، لکھنؤ، لاہور میں پیش آچکے ہیں، اور آزادی کا جو مذاق عام ہو رہا ہو، صحیح ہو،
 یا غلط، لیکن کیا اس سے کسی درس گاہ کے طلبہ بے اثر رہ سکتے ہیں؟ آپ جس کو اسٹرا ایک
 کہتے ہیں وہی چیز دوسروں کی نظر میں حقوق طلبی کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے تاریخوں میں
 یہ پڑھ کر کہ فاروق عظم کو عین منبر پر ایک شخص نے یہ جواب دیا تھا کہ اگر تم ٹیڑھے چلو گے،
 تو تلوار سے تمہارا بل نکال دوں گا، کسی کو یہ خیال نہیں آتا کہ یہ اسٹرا ایک یا بغاوت تھی، بلکہ
 یہ آزادانہ فہرے اسلام کی تاریخ کے طغرائے امتیاز ہیں، ان حالات کے ساتھ بخاری شریف
 کے درس اور مولود کے روکنے پر اسٹرا ایک کر دینا کون سی تعجب کی بات ہو سکتی ہے کیا
 آپ یہ سمجھتے ہیں کہ تدوین جو قیامت انگیز اور شرمناک بد عملیاں ہو رہی ہیں، ان پر صرف
 عبدالسلام کے خط کا پردہ ڈال دیا جاسکتا ہو، اور پھر وہ ہمیشہ کے لئے نظر سے اوجھل ہو جائے؟

دہمدر، دہلی، ۶ اپریل ۱۹۱۴ء

اصلاحِ ندو

اور

ہمدرد

بخدمت اڈیٹر صاحب "ہمدرد" دہلی،

"ہمدرد" کے پرچہ مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۱۴ء میں جو آرٹیکل "اصلاحِ ندوۃ کے نام سے" نکلا ہے، اسکے اعتدال اور میانہ روی اور نیک نیتی کا مجھ کو دل سے اعتراف کرنا چاہیئے، اڈیٹر صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ ہم اپنا فرض ادا کرنے سے قاصر نہ رہیں گے، اگر ہم یہ کہیں کہ ندوہ کو اس کے حال پر چھوڑ کر ان تمام عظیم الشان مقاصد کو خاک میں ملا دیا جائے، جس کے حصول کی غرض سے اپنی قسم کا یہ پہلا انسٹیٹوشن ہندوستان میں قائم کیا گیا تھا لیکن وہ لکھتے ہیں کہ اصلاح کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ پہلے جمہور قوم کی جانب سے خواہ جلسوں کے ذریعہ سے یا فرداً فرداً ندوہ کے موجودہ اراکین کے سامنے اصلاح کا پروگرام پیش کیا جائے اور خواہش کی جائے کہ وہ اپنے اُس بڑے قومی انسٹیٹوشن میں قوم کی آواز کا لحاظ کریں، پھر وہ لکھتے ہیں کہ پہلے طریقہ اختیار کرنا چاہیئے، جب اس طریقہ سے اصلاح ناممکن ہو تب دوسرا طریقہ یعنی جوش کے ذریعہ سے کارکنانِ ندوہ کو مجبور کرنا اختیار کیا جائے،

تاکم ہی

واقعات جو

رہا ہی، صحیح ہوا

ن کو اسٹریک

تاریخوں میں

بڑھے چلو گے

ماوت تھی بلکہ

تھہ بخاری لکھ

ہو سکتی ہے کیا

ان پر صرف

بے وجہ ہو جائی

۱۹۱۴ء

ہم مختصر عرض کرتے ہیں کہ آج بھی جلسہ دہلی میں وہی پہلا طریقہ مقصود ہی جس کی آپ نے ہدایت کی ہو، لیکن اڈیٹر صاحب اور عام پبلک کو یہ معلوم نہیں کہ یہ طریقہ پہلے اختیار کیا جا چکا ہو، تو سمجھتے ہیں کہ پہلے کبھی اس قسم کی خواہش نہیں کی گئی، اور اس دفعہ دفعۃً تجربہ طریقہ اختیار کرنا مقصود تھا، لیکن یہ دونوں باتیں غلط ہیں حقیقت حال یہ ہے کہ ندوہ میں یہ خرابیاں مدت سے ہیں اور میں نے بارہا فردا فردا اور اجتماعی طریقہ سے اس کی طرف توجہ دلائی، دو سال ہوئے کہ میں نے ایک مطبوعہ خط تمام ارکان کی خدمت میں بھیجا کہ موجودہ خرابیاں اس وجہ سے ہیں کہ ندوہ میں دو نہایت مختلف انجیال اور مختلف المذاق قسم کے ممبر ہیں، اس لئے دونوں کی کشمکش کی وجہ سے کسی امر کی اصلاح نہیں ہو سکتی اس بنا پر یہ مناسب ہوگا کہ یورپ کے قاعدہ کے موافق ایک مدت معین تک ایک مذاق کے تمام ممبر کام سے دست بردار ہو جائیں، اور تنہا ایک فرقہ کو کام کرنے دیا جائے، اور سب سے پہلے میں خود اور میرے ہم خیال اس کے موافق دست کش ہونے پر آمادہ ہیں، لیکن یہ تجویز جلسہ انتظامیہ میں نامنظور کی گئی،

اس کے بعد مولانا عبد الباقی صاحب نے جو اس وقت ندوہ کے ممبر تھے اصلاح کی کوشش کی اور اسی مضمون کے مطبوعہ خطوط جاری کئے اور ایک بڑا معرکہ الاڑا جلسہ ہوا، لیکن اس کا نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا، ایک جلسہ مصاحبت کا ہوا تھا جس میں ارکان ندوہ کے علاوہ بعض اور معزز حضرات بھی شریک تھے، ۱۸ اور ۲۰ جولائی ۱۹۱۳ء کو دفعۃً وہ انتظامات عمل میں آئے جس سے دور جدید کا آغاز ہوتا ہو، اس جلسہ میں بغیر اس کے کہ ایک منٹ قبل باہر کے ارکان کو خبر کجائے تین سکرٹریاں جو پہلے مدت سے قائم تھیں، اور ندوہ کے تمام کام انہی کے ذریعہ سے انجام پاتے تھے، اور جن پر اعتماد کا دوٹو بار بار جلسہ انتظامیہ میں بھی پاس ہو چکا تھا، تو رڈی گئیں کارروائی چونکہ ندوہ کے دستور العمل کے رو سے بالکل بے قاعدہ تھی، اس لئے بارہا اس کی طرف ارکان مقامی کو توجہ

دلائی گئی اور بعض اخبارات میں نہایت تفصیلی مضامین لکھے گئے، لیکن کسی نے پروا تک نہ کی، بقول اڈیٹر صاحب کے جوش اور شور غل اور ہنگامہ آرائی سب سے آخری علاج ہے، لیکن فوج کو میر دوست بتائیں کہ قومی احساس کا کیا حال ہے؟ کیا ہندوستان کے کسی معاملہ پر پہلاک نے سرد اور متدل آوازوں پر توجہ کی ہے، پولیٹیکل معاملات، یونیورسٹی ڈیپارٹمنٹ، علی گڑھ کالج میں سکرٹری اور اسٹاف کی قوت کا موازنہ، انجمن حمایت الاسلام کی اصلاح اور تقسیم عمل اس میں سے کون سی چیز ایسی ہے جو بغیر ہنگامہ آرائی اور شور غل کے انجام پائی،

ان واقعات کے ساتھ فقط غریب ندوہ پر کیوں الزام ہے؟ کیا اسی لئے کہ وہ دولت مند اور امر کا انسٹیٹیوشن نہیں ہے؟ لیکن بایں ہمہ اب بھی اوس پہلے طریقہ پر عمل کرنا مقصود ہے جو بار بار استعمال کیا جا چکا ہے، اور جس کی نسبت اڈیٹر صاحب ہمدرد ہیکو مشورہ دیتے ہیں، کہ پہلے ہم کو اس سے کام لینا چاہئے، (گویا ہم نے اب تک اوس سے کام نہیں لیا ہے)

دہمدرد دہلی، یکم مئی ۱۹۱۴ء

پنے
چکا ہے، و
مقصود ہے

ہیں اور
کہ میں
وہ ہیں
کی وجہ
ایک
زرق کو
کش

ن کی کو
ن بیکار
تھے
ہو،
یاں
اور
نہ ندو
توجہ

جلسہ دہلی متعلق ایک عام غلط فہمی کی تشریح

یہ خیال غلطی سے عام طور پر پھیل گیا ہے کہ دہلی میں ندوہ کی اصلاحی تجویز کے متعلق جو جلسہ ہونے والا ہے وہ موجودہ کارکن اشخاص کی مخالفت اور ان کے ساتھ معرکہ آرائی کا جلسہ ہے، اس غلط خیال نے تمام پبلک میں ایک اشتعال آمیز مخالفت یا موافق، جوش پیدا کر دیا ہے، قومیں جب ابتدائی ترقی کے دور میں ہوتی ہیں، تو ان کا مذاق طبع ہر بات میں اشتعال انگیز پہلو کو ڈھونڈتا ہے، اور اس سے متاثر ہو کر اصل حقیقت کو نظر انداز کر دیتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ندوہ کے چند امور مسلمہ فریقین ہیں، یہ امر کہ ندوہ میں کچھ خرابیاں ہیں، دونوں فریق کو تسلیم ہے، یہ امر کہ ان خرابیوں یا اصل قانون ندوہ میں اصلاح کی حاجت ہے، دونوں کو تسلیم ہے، گفتگو صرف یہ ہے کہ یہ خرابیاں کس نے پیدا کیں؟ اور اب ان کی اصلاح کا کیا طریقہ ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ ہر فریق دوسرے فریق کو خرابیوں کا ذمہ دار بتاتا ہے، اور اگرچہ اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی آزاد کمیشن بیٹھا تو یہ مسئلہ صاف ہو جاتا، لیکن بہر حال ایسا کرنے میں مخالفت اور جوش کا زیادہ احتمال ہے، اس لئے سر دست اسی نقطہ کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ خرابیاں کیا ہیں؟ اور اصلاح کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے؟

طریقہ اصلاح کے متعلق ایک یہ غلط خیال پھیلا ہوا ہے کہ خود ندوہ کے جلسہ تنظیم میں یہ خرابیاں پیش کی جاسکتی ہیں اور وہ خود ان کی اصلاح کر سکتا ہے، لیکن واقعات یہ ہیں کہ

اور اور مضامین شائع کئے، لیکن سپیکر کو مطلق احساس نہ ہوا،
 حالات مذکورہ کے بعد کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ اصلاح کی خواہش کی یہ پہلی صدا ہے
 اور اس سے کسی فریق کی توہین یا تذلیل مقصود ہو،
 دہلی کے جلسہ کا یہ پروگرام ہے کہ دو توں فریق الگ الگ اصلاحی پروگرام
 مرتب کر کے لائیں، ان میں جن اصلاحات پر دونوں فریق کا اتفاق ہو وہ اسی وقت
 جلسہ میں مشترک کر دی جائیں، جن میں اختلاف ہو، ان کے تصفیہ کے لئے جلسہ کی
 طرف سے ایک سب کمیٹی مقرر کر دی جائے، اس میں ندوہ کے ارکان انتظامی
 بھی ممبر بنائے جائیں،

اس بات کا خاص طور پر سحاط رکھا جائے کہ ایسے مباحث نہ پیش ہوں جن سے
 ذاتیات، معرض بحث میں آئیں، بلکہ ان امور کو لے لیا جائے جن کا تعلق ندوہ کے
 اصل قانون اور دستور العمل سے ہے، اور جن کے فیصلہ کے لئے جزئی واقعات کے
 تحقیق کرنے کی ضرورت نہ ہو، بلکہ خود قانون کا مطالعہ ان کا فیصلہ کر سکے، مثلاً یہ بحث
 کہ موجودہ کارکن اور عمدہ دار واقعی عمدہ دار مجاز ہیں، یا نہیں، واقعات کا چننا
 محتاج نہیں، بلکہ اصل قانون پر نظر ڈالنا کافی ہو سکتا ہے، اور جن قدر واقعات کی شہادت
 اس کے لئے درکار ہے وہ کھلے ہوئے اور نمایاں واقعات ہیں مسلمانوں کی موجودہ بیداری
 کا سب سے نمایاں واقعہ عام قومی اجتماع ہے، لیکن اگر اس دور میں بھی کوئی قومی انیسٹیوٹ
 صرف چند اشخاص کے ہاتھ کا بازیچہ بن کر رہ جائے، تو قومی زندگی کی طرف سے بالکل مایوس
 ہو جانا چاہیے،

ارکان ندوہ کے علاوہ جو لوگ اس مسئلہ کو قوم میں لانے کے مخالف ہیں، صرف

کے لوگ ہیں، یا وہ ہیں جو آج ۲۲ برس سے ندوہ کے مخالف، اور اس کے وجود کے دشمن ہیں
ان کو اس سے بڑھکر کیا خوشی ہو سکتی ہے، کہ ندوہ کل کا بتا ہوتا ہوا، آج بتا ہوا ہو جائے، یا وہ
لوگ ہیں جو خود کسی انسٹیٹیوشن پر اسی طرح خود مختار نہ قابض ہیں، اور ڈرتے ہیں کہ اس
آگ کے شعلے پھیلنے پھیلنے ان کے گھر تک نہ پہنچ جائیں، فقط،

(زمیندار روزانہ، ۲ مئی ۱۹۱۲ء)



لی صدر اسے

سلاچی پروگرام

سی وقت

لئے جلسہ کی

ن انتظامی

ن جن سے

ندوہ کے

قعات کے

، شلایہ بحث

کا چنداں

ت کی شہاد

ی

وجود بیدار

انسٹیٹیوشن

بالکل یا

فہم

صرف دو

لعلم و دارالعلوم ندو

کی

ایک اور خصوصیت

ہندوستان میں آج جس قدر عربی مدارس موجود ہیں اور جن کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی ہے، ان میں جو طلبہ تعلیم پاتے ہیں صرف وہ ہیں جن کو مدرسہ کی طرف سے کھانا کپڑا ملتا ہے، یا مدرسہ کی سفارش پر دوسری جگہوں سے کھانا مقرر ہو جاتا ہے، اس واقعہ سے متعدد نتائج حاصل ہوتے ہیں،

(۱) عربی کی تعلیم صرف ان لوگوں میں محدود رہ گئی ہے، جو افلاس کی وجہ سے اور کسی قسم کی تعلیم حاصل نہیں کر سکتے،

(۲) عربی تعلیم ایسی بے کار شے سمجھی گئی ہے کہ بغیر اس قسم کی ترغیب دینے کے کوئی شخص اس کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا،

(۳) ان مدارس میں اس قسم کا انتظام نہیں کہ ذی وجاہت لوگ اپنی اولاد کو وہاں بھیجنا گوارا کریں اور اس لئے امراء کا گروہ عربی اور مذہبی تسلیم سے قطعاً محروم ہوتا جاتا ہے،

(۴) چونکہ صرف غریب لوگ عربی تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور ان کی تمام حاجت

میں ایک شخص بھی خوشحال اور صاحب جاہ و دولت نہیں ہوتا، اس لئے اس گروہ کے خیرات اور ہمتیں بستی کی طرف مائل ہوتی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ کوئی بڑا اہل العزم شخص اس گروہ میں نہیں پیدا ہوتا،

لیکن دارالعلوم ندوہ کی یہ عجیب خصوصیت ہے کہ اس میں دولت کے قریب طلبہ ہیں جو اپنے مصارف کے آپ تکفل ہیں، اور اگر دارالاقامہ دہلی اور دہلی میں گنج ہوتی، تو اس قسم کے طلبہ کی تعداد اور بہت زیادہ ہو جاتی، اس واقعہ سے متعدد امور ثابت ہوتے ہیں،

(۱) یہاں کی عربی تعلیم میں کچھ ایسی خصوصیت ہے کہ دولت مند اور خوش حال لوگ بھی اس کو بیکار نہیں سمجھتے،
(۲) یہاں کے دارالاقامہ میں ذی وجاہت لوگ بھی اپنی اولاد کا بھیجنا گوارا کرتے ہیں،

(۳) دارالعلوم سے بہت بڑا فائدہ یہ متوقع ہے کہ دولت مند گروہ میں بھی عربی اور مذہبی تعلیم بقدر ضرورت رواج پائے،
اگرچہ بعض لوگوں کے نزدیک یہی امر ندوہ کے برے ہونے کا بڑا ثبوت ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ لوگوں کو ضروری تعلیم (یعنی انگریزی) سے روک کر، ایک بیکار چیز میں پھنساتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عربی تعلیم اگر صحیح اصول پر ہو تو وہ انگریزی تعلیم کی سדרاہ نہیں بلکہ اور اس کے لئے راستہ صاف کرنے والی ہوگی،

آج تین برس سے انگریزی تعلیم کا غل برپا ہے، باوجود اس کے ایک بہت قلیل تعداد نے اس طرف توجہ کی ہے، لیکن اگر علماء انگریزی تعلیم کے طرفدار بن جائیں

نکڑوں

ن طرف

۱۰۶

سے اور

کونی شخص

وہاں

مردم

عجت

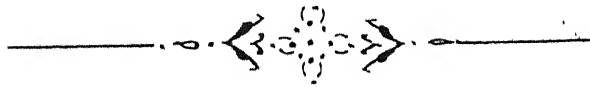
تو دفعہ قوم کی قوم کا رخ پھر جائے، دارالعلوم ندوہ کا مقصد اسی قسم کے علماء تیار کرنا
ہے، جو ایک طرف عربی اور مذہبی تعلیم کی حفاظت میں کوشش کریں، اور دوسری طرف
دنیوی تعلیم کی طرف بھی لوگوں کو رغبت دلایں،

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق

ہر ہوسنا کے نہ اند جام و سنداں بافتن

(الندوہ، نمبر ۱ جلد ۳)

شوال ۱۳۲۳ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۰۶ء



علمی گروہ

صوفیان مستند و زاہد بے خیر ان کے پرسم من رہے ہیں نہ را
 ہمارے رفارموں نے جب جدید تعلیم کی بنیاد رکھنی چاہی تو ضروری سمجھا کہ پہلے قدیم
 عمارت ڈھاکر سطح ہموار اور درست کر لی جائے، ہم نے اس کو منظور کیا، پرانی تعلیم جس قدر ہم
 سے ہوسکا، علمائے مٹا دی گئی، اور چونکہ خطرہ تھا کہ قدامت پرست لوگ مہندم شدہ عمارت سے ستر
 نہ اٹھائیں، اس لئے ضرور ٹھہرا کہ دلوں سے بھی اس کی عظمت کا نقش مٹا دیا جائے، اس بنا پر
 ہم نے اس کو افسانہ پاریں، تقویم کہن، عضوشل، آب جام وغیرہ وغیرہ مختلف خطابات دیئے،
 اور اس طرح بار بار دہرایا کہ قدیم تعلیم بھی بول اٹھی کہ

بہن چنداں گنہ از بدگمانی نمیکند نسبت کہ من ہم درگماں افتادہ پندارم گنہ گارم
 تیس برس کا زمانہ گزر گیا، قدیم تعلیم مر چلی، نئی نیلیں تیار ہوئیں، ہزاروں بی لے نکلے سینکڑوں
 نے ایم لے کی ڈگریاں لیں یہ سب کچھ ہوا، لیکن نتیجہ؟
 کیا کوئی علمی جماعت پیدا ہوئی؟ کوئی مسئلہ حل ہوا؟ کسی نے کچھ اجتہاد کیا؟ کوئی مصنف پیدا
 ہوا؟ قومی نمبر پر کوئی خطیب نظر آیا؟ کسی کے قلم نے انشا پر داری کے معرکے فتح کئے؟
 تم کہو گے کہ یہ ہماری نا انصافی ہے، ایک نوع گردہ سے ایسے فتوحاتِ عظیمہ کی توقع خود
 ہماری خام خیالی ہے، بے شبہہ تم سچ کہتے ہو، سوالات مذکورہ کو یوں بدل دینا چاہئے،
 کیا علمی مذاق کا کوئی گروہ پیدا ہوا؟ یورپ کی کسی فلسفیانہ کتاب کا ترجمہ ہوا؟ علوم جدیدہ

کے کچھ مسائل قوم کی زبان میں شائع ہوئے کوئی علمی پرچہ نکلا؟ اسلام پر یورپ نے جو سینکڑوں نامہ تصنیفات اور مضامین لکھے اس میں سے کچھ اردو زبان میں آیا؟ تم کو اس کے سوالات مذکورہ کا معیار اور گھٹانا چاہئے، ہم اس کو بھی تسلیم کر لیتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ یورپ نے مذہب اسلام اور اسلامی فکر پر عربی اور فارسی شاعری پر، عرب کے جغرافیہ پر، فلسفہ اسلام پر، مسلمانوں کی تاریخ پر سینکڑوں نادر کتابیں اور رسالے لکھے نئے گروہ کو ان میں سے کس قدر معلوم ہے؟ مسلمانوں کی سینکڑوں عجیب و غریب نادر تصنیفات کو یورپ نے شائع کیا ہے ان کی ان لوگوں کو خبر ہے؟ جرمنی میں مسلمانوں کے خاص علوم و فنون پر جو انسائیکلو پیڈیا لکھی جا رہی ہے، کیا اس سے ان کو واقفیت ہے؟ پروفیسر ڈورزی نے دو ضخیم جلدوں میں تمام عربی مولد الفاط کی دشتری پچاس برس کی محنت میں لکھی، کیا ان لوگوں نے اس کو دیکھا ہے، گب ممویریل سیرز جن کے ذریعہ سے خاص عربی اور فارسی کی قدیم نادر کتابیں شائع کی جا رہی ہیں، اس سے ان کو واقفیت ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے علوم، اپنے فنون، اپنی تاریخ، اپنا تمدن، ہر کچھ فدیہ دے کر ایک نوکری پیشہ گروہ پیدا کیا ہے، اور نازاں ہیں کہ رع، نریخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز،

لیکن ان سب حالات کے ساتھ سوال یہ ہے کہ چارہ کار کیا ہے؟ کیا ہم کو اس کا علاج پرانے طریقہ کے مدارس میں ڈھونڈنا چاہئے؟ کیا وہاں کچھ تحقیق کا پر تو نظر آئے گا؟ کوئی مشکل حل ہوگی؟ لفظوں کے گورکھ دھندے کے سوا اور کچھ بات آئے گا؟؟ قدما کی تحقیقات کا نشان ملے گا؟ ابن ہشیم نے فن مناظر پر جو اضافہ کیا، فارابی نے فن موسیقی میں جو ترقیاں کیں، خیام نے جبر و مقابلہ پر جو کچھ لکھا، ابن مسکویہ نے جو تاریخی تحقیقات کیں ان میں

سے کسی چیز کا پتہ لگے گا؟ نہیں کچھ بھی نہیں، ہمارے مولویوں کے تو کان بھی ان سوالوں سے آستانہ ہوں گے،

غرض موجودہ حالات کے ساتھ تو ان دونوں گروہوں میں سے کوئی گروہ ہمارے کام کا نہیں، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کونسا گروہ کوشش کرنے سے کام کا بن سکتا ہو، ہر قوم جب ترقی کرتی ہے تو اس میں دو گروہ پیدا ہو جاتے ہیں،

ایک وہ جو دنیوی علوم سیکھتا ہے، سرکاری خدمتیں حاصل کرتا ہے، انتظامات ملکی میں شریک ہوتا ہے، پالیٹکس میں دخل دیتا ہے، یہ گروہ علم و فن سے بے بہرہ نہیں ہوتا، لیکن علم اس کا مقصد زندگی نہیں ہوتا، ہمارے زمانے میں یہ گروہ وہی ہے جس کو ہم جدید تعلیم یافتہ گروہ کہتے ہیں،

دوسرا گروہ علمی گروہ ہوتا ہے، اُس کی غرض و غایت محض علم ہوتی ہے، وہ تھوڑی سی معاش پر اکتفا کرتا ہے اور صرف علمی خدمت کو اپنا مقصد قرار دیتا ہے، یہ گروہ اگرچہ درحقیقت آج کل مفقود ہے، لیکن اس گروہ کے جو آثار اور خواص ہیں، وہ عربی خواں گروہ میں پائے جاتے ہیں، عربی خواں گروہ اسلامیہ جانتا ہے کہ عربی علوم کے پڑھنے سے معاش نہیں حاصل ہو سکتی، اور زمانے کی نظروں میں ان علوم کی کچھ قدر نہیں، تاہم یہ گروہ نہایت محویت، شوق اور شیفتگی سے علوم عربی کی تحصیل میں مصروف ہے، صرف اس لئے کہ اس نے اپنا مقصد تحصیل دنیا نہیں، بلکہ تحصیل علم قرار دیا ہے، جو کچھ کمی ہے یہ ہے کہ وہ جس چیز کو علم سمجھ رہے ہیں وہ علم کے نہایت ابتدائی مراتب ہیں،

عربی میں جو علوم و فنون پڑھائے جاتے ہیں (دینیات کو چھوڑ کر) ان میں سے

لمروں نام

نہ مذکورہ

اسلامی فنون

نے پسند کیوں

سینکڑوں

نہ ہے؟

س سے

کی اکثری

بزرگ کی

سے ان کو

نہ کچھ

نہ کچھ

نہ کچھ

نہ کچھ

نہ کچھ

نہ کچھ

نہ کچھ

نہ کچھ

نہ کچھ

نہ کچھ

نہ کچھ

اکثر ایسے ہیں جن کو یورپ نے اس قدر ترقی دی ہے کہ ان کی تحقیقات کے سامنے پچھلے کا زمانہ
بازیچہ اطفال سے زیادہ نہیں ہے، میتھی اور صدر کی طبیعات کو آج کل کی طبیعات سے
کیا نسبت ہے، عربی ادب کے متعلق یورپ نے عربی کی وہ متدیم نادر تصنیفات بہم پہنچائیں
جن کی ہمارے علما کو خبر تک نہیں، غرض یہی عربی خواں گروہ اگر یورپ کی کسی زبان، اور یورپ
کی تحقیقات سے آتش نہ ہو جائے تو وہ گروہ بن جائے گا، جس کو ہم علمی گروہ کہتے ہیں، اور جس کے
بغیر قوم کی قوم ع

خوبست و خوشست و بوندارد،

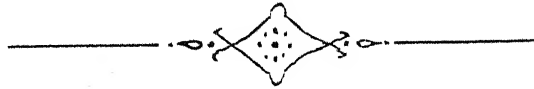
بے شبہ آج تک عربی خواں گروہ نے انگریزی زبان اور انگریزی علوم و فنون سے
احتراز کیا، لیکن کیوں؟ اس لئے نہیں کہ اُن کے نزدیک انگریزی پڑھنا کفر ہے، بلکہ اس لئے
کہ ان کو یہ غلط خیال ہے کہ انگریزی میں علوم و فنون نہیں، صرف سطحی اور عامیانه باتیں ہیں
یہ اعتقاد اس قدر راسخ ہو گیا ہے کہ ہم خود تندرہ میں برسوں سے اس اعتقاد کو زائل
کرنا چاہتے ہیں، لیکن کسی شخص پر کچھ اثر نہیں ہوتا، جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارے علما
یورپ کے علوم و فنون کا اندازہ انگریزی خوانوں سے کرتے ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ اس
گروہ سے یورپ کی علمی تحقیقات و تدقیقات کا اندازہ نہیں ہو سکتا،

مسلمانوں میں علمی گروہ وہی بن سکتا ہے جو اسلامی علوم کے ساتھ تحقیقاتِ حال
سے بھی نا آشنانہ ہو چنانچہ بلاد اسلامیہ نے مدت کے تجربہ کے بعد اس نکتہ کو سمجھا،
اور اسی بنا پر قاہرہ میں ایک یونیورسٹی قائم کی گئی، جس کا نام جامعہ مصر یہ ہے
تاہم اس یونیورسٹی میں یہ کمی ہے کہ اس میں خالص مذہبی علوم یعنی تفسیر و حدیث وغیرہ
نہیں پڑھائے جاتے، اس جبر کی تلافی کی اگر امید ہو سکتی ہے تو حیدر آباد سے ہو سکتی

ہے، جس نے دوارالعلوم کو وسیع پیمانے پر قائم کرنا چاہا ہے، ندوہ کے متی مایہ العلوم
نے اسی مقصد کو پیش نظر رکھا ہے، اور اب اس کے کامیابی کے نہایت ابتدائی
آثار نظر آنے لگے ہیں،

(الندوہ - جلد ۲ نمبر ۵)

جمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ مطابق ماہ جون ۱۹۰۹ء



منہ بچھلے کارخانہ
کی طبیعیات سے
مات بہم پہنچان
یان، اور یوں
ن، اور جس کے

فنون سے
ہے ایک اس لئے
مانہ باتیں میں
اد کو زائل
ار سے علما
ہے کہ اس

یققات حال
لمتہ کو سمجھا،
صر یہ ہے
حدیث وغیرہ
سے ہر سکتی

(سیاسی)

مسلمانوں کی پولیٹیکل کروٹ

(۱)

اگر یہ سچ ہے کہ تقسیم بنگال کے طمانچے سے مسلمانوں کی پالیٹکس کا منہ پھر گیا، تو ہم ضیا
ہیں کہ اس تقریب مسرت میں بنگال کے سوا کچھ اور بھی تیار کر دیا جائے، لیکن مرکز پالیٹکس اور
اس کے حوالی سے جو صدائیں آتی ہیں زود فنا ہونے کے ساتھ خود ان کا لہجہ بھی غلط ہے،
پانیز کا مسلمان نامہ نگار لکھتا ہے، کہ چونکہ اب نظر آتا ہے کہ ٹرکی اور ایران کے کمزور
ہونے کی وجہ سے ہمارا فارن رتبہ قائم نہیں رہے گا، اس لئے ہم کو ہندوؤں سے مل جانا
چاہئے، ہندوؤں سے ملنا اچھی بات ہے، لیکن یہ ہمیشہ سے اچھی بات تھی اور ہمیشہ اچھی
رہے گی، لیکن نامہ نگار نے جو جدید ضرورت بیان کی ہے، وہ اسلام کا ننگ ہے، کیا ہم کو
ہمسایوں کے دامن میں اس لئے پناہ لینا چاہئے کہ اب ہمارا کوئی سہارا نہیں رہا ہے کیا
اگر ٹرکی اور ایران پر زور ہوتے تو ہمارے ہمسایہ کے مقابلہ میں مدد کر سکتے؟ کیا شملہ ویتن
کی اس فحاری پر انگریزوں کو یقین آگیا تھا کہ ہمارا پولیٹیکل وزن اپنے ہمسایوں سے زیادہ
نواب قار الملک کا سنجیدہ، لیکن بہادرانہ مضمون، ایک سچے دلیر مسلمان کی آواز

ہو سکتا تھا، اگر اس میں یہ غلطی شامل نہ ہو جاتی کہ ہم نیشنل کانگریس میں شریک ہو جائیں گے تو ہماری ہستی اس طرح برباد ہو جائیگی جس طرح معمولی دریا ہند میں مل جاتے ہیں، اگر پارسیوں کی قوم ایک لاکھ کی جماعت کے ساتھ ہندوؤں کے ۱۹ کروڑ اور مسلمانوں کے ۵ کروڑ افراد کے مقابلہ میں اپنی ہستی قائم رکھ سکتی ہے، اگر دادا بھائی نوروجی تمام ہندوستان کے مقابلے میں پہلے پارلیمنٹ کا ممبر ہو سکتا ہو، اگر گوکھلے تمہارا پیارم اسکیم کی عظیم الشان تحریک کی بنیاد ڈال سکتا ہو، تو ہر مسلمانوں کو اپنی ہستی کے مٹ جانے کا اندیشہ نہیں کرنا چاہئے،

غرض دلائل اگرچہ غلط ہیں، لیکن بات بالکل صحیح ہے کہ پولیٹیکل خواب سے بیدار ہونے کا وقت آگیا ہے، ہمارے اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جس چیز کو ہم پارلیمنٹ سمجھتے تھے، وہ پارلیمنٹ کی تھیجی، ہماری پارلیمنٹ کا کعبہ دراصل تہکدہ تھا، ہماری پارلیمنٹ جس کی آواز کلمہ شہادت کی طرح ولادت کے دن سے ہمارے کانوں میں پڑی صرف یہ تھی، ابھی وقت نہیں آیا ہو، ابھی پارلیمنٹ کے قابل بننا چاہئے، ابھی صرف تعلیم کی ضرورت ہے، ہمارے تعداد کم ہے، اسلئے نیابتی اصول سلطنت ہمارے موافق نہیں،

یہ الفاظ اس قدر دہرائے گئے کہ قوم کی رگ و پے میں سرایت کر گئے، ہر مسلمان بچہ ان خیالات کو ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے، اور زندگی کے تمام مراحل میں ساتھ رکھتا ہے، مسلمانوں کی عام جماعت میں جب پارلیمنٹ کا نام آتا ہے تو یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہو کہ اچھے سے اچھا نوجوان تعلیم یافتہ گراموفون کی طرح ان الفاظ کو دہراتا ہو،

اس کا نتیجہ ہوا کہ جدوجہد سعی و کوشش، حوصلہ مندی، قوت عمل، سرگرمی، جوش اور اثنا نفس کے لحاظ سے عام سناٹا اچھا لگتا، ہم سنتے ہیں کہ گروکل میں تین سو سو بچے تعلیم پارتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی قوم کے ہاتھ فروخت کر دی ہے، اور جو باوجود دولت مندی کے

پھر گیا، تو ہم منہ
نہ پارلیمنٹ اور
ن غلط ہے،
یران کے کروڑ
س سے مل جانا
اور ہمیشہ اچھی
ہے، کیا ہم کو
میں رہا ہو کیا
لے ہا کیا تملو پوتن
س سے زیادہ
سلمان کی آواز

زمین پر سوتے اور کھلے اور تھکے ہیں، ہر کوئی معلوم ہے کہ یونانی سرٹس آف انڈیا سوسائٹی قائم ہے، جہاں اس وقت (۲۹) بی۔ اے، لٹیکس کی تعلیم پڑھ رہے ہیں، جو پانچ برس کی تعلیم کے بعد تمام عمر ہندوستان کی خدمت کریں گے، اور ان کی کل زندگی کی قیمت صرف (۳۰) پیڑ ماہوار ہوگی، ہم واقف ہیں کہ فرگوسن کالج میں (۱۹) پروفیسروں نے جن میں سے کوئی شخص بے لے سے کم تعلیم یافتہ نہیں، صرف (۵۵) روپیہ ماہوار پر اپنی تمام عمر فروخت کر دیا ہے، ہم اخباروں میں پڑھتے ہیں کہ آریہ کالج اور ہندو کالج میں متعدد ہندو پروفیسر ہیں، جو بغیر کسی معاوضہ کے کام کرتے ہیں، لیکن یہ تمام عبرت انگیز آوازیں، یہ تمام پر جوش نمونے، یہ تمام حیرت انگیز واقعات، ہمارے دلوں میں ایک ذرہ جنبش نہیں پیدا کر سکتے، ہماری قومی درگاہوں نے آج تک ایشیا نفس کی ایک مثال بھی نہیں پیدا کی، ہمارا قومی تربیت یافتہ گریجویٹ، قومی کام میں نرخ بازار سے ایک جہہ اپنی قیمت کم نہیں کرتا، کیوں صرف اس لئے کہ ہمارا پولیٹیکل احساس بالکل مر گیا دنیا میں صرف آئڈیل (مطلح نظر) ایک چیز ہے، جو انسان کے جذبات اور احساسات کو براہِ انگیزتہ کر سکتی ہے، ہمارا آئڈیل کیا ہے؟ ہم نے کس چیز کو تاکا ہی؟ ہمارا کیا انتہائی خیال ہے؟ بی۔ اے، اور نوکریاں، کیا اس آئڈیل سے قوم میں کسی قسم کے پرزور جذبات پیدا ہو سکتے ہیں؟ کیا اتنی سی بات کے لئے زحمات برداشت کی جاسکتی ہیں، کیا یہ مقصد کوئی بڑا اولو دل میں پیدا کر سکتا ہے، کیا اس ذوق میں فرشِ خاک پھولوں کی سیج بن سکتا ہے؟ اس پست مقصد سے سخت نقصان یہ ہوا کہ تمام قوم کی قوم میں پست حوصلگی، عین بزدلی چھا گئی، ہمارے پولیٹیکل لغت نے جائز آزادی کا نام بغاوت رکھ دیا، ایک پارسی یا ہندو کانگریس میں جاتا ہو، انتظام حکومت پر نکتہ چینیاں کرتا ہے، اور پھر پارلیمنٹ

اور
ہیں
ہے
نے

ہم
لیکر
غفلت
کہ

مہ

اور
پا
کہ

اور ویرے کی کونسل کا ممبر باقی رہتا ہے، لیکن مسلمان ایجوکیشنل کانفرنس میں آتے گھر آتے ہیں، اور سرسید سے فتویٰ پوچھتے ہیں، یہاں تک کہ مرحوم کوئی گڈ ٹپ میں مراسلہ چھاپنا پڑتا ہے، کہ تعلیمی کانفرنس میں شریک ہونا ممنوع نہیں، ہم کو محارم ہے کہ بہت سے معزز لوگوں نے مسلم لیگ کی ممبری کے لئے یہ شرط پیش کی، کہ صاحب کانگریس سے اجازت دلوانی جائے جب ہم اس اختلاف حالت کا سبب پوچھتے ہیں، تو ہمارے لیڈر یہ نازک فرق ہم کو سمجھاتے ہیں، کہ ہندو چھڑ ہیں، اس لئے گورنمنٹ کو ان کی بھین بھناہٹ کی پروا نہیں لیکن مسلمان شیرنیتاں ہیں، ان کی ہمنہ سے جنگل دھل جاتا ہے، خیر! یہ فریب کاری ختم ہو چکی غفلت کا دور گزر چکا، قوم میں ایک احساس پیدا ہو چلا ہے، اور صرف متعین کرنا رہ گیا ہے کہ نئی زندگی کا طریق عمل کیا ہوگا؟ ہم آئندہ تفصیل سے ایک ایک موضوع پر گفتگو کریں گے،

۱۲ فروری ۱۹۱۲ء

(۲)

اس بحث میں امور ذیل بحث طلب ہیں:-

(۱) پالیٹکس کی صحیح اسکیم، (۲) ہمارے موجودہ طریقے کی غلطیاں، (۳) ہندو مسلمانوں کا اتحاد،

اگرچہ ضرورت صرف اسی بات کے بتانے کی ہے کہ پالیٹکس کی صحیح اسکیم کیا ہو اور یہ کہ جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ نہ صرف بیکار ہو بلکہ اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ قوم ہمیشہ کے لئے پالیٹکس سے محروم رہ جائے، لیکن ان باتوں کے ثابت کرنے سے پہلے یہ بتانا چاہئے کہ خود پالیٹکس کی کیا حقیقت ہے؟

”مسلمان“ دو حیشیں رکھتے ہیں، (۱) گورنمنٹ برطانیہ کی رعایا ہیں، (۲) مسلمان

سوسائٹی قائم
کی تعلیم کے بعد
صرف (۳) آدمی
سے کوئی
فروخت کر دی
حد دہند
یہ تمام
ہمارے دلو
ایثار نفس
یہ نرخ بازار
بالکل مرگ چکا
احساسات
تہاے خیال
ت پیدا ہو سکتے
نی بڑا اول
ہو؟
گی، جین
ایک پارسی
پارلیمنٹ

ہیں، اس بنا پر مسلمانوں کی پالیسی ان ہی دونوں اجزاء کا مجموعہ ہے، اور ترتیباً پہلا جزو دوسرے جزو پر مقدم ہے، رعایا پر حکومت کا جو قدیم شخصی طریقہ تھا، اس کا یہ اصل الاصول تھا، اور آج بھی شخصی سلطنتوں میں قائم ہے، کہ ”بادشاہ کی زبان قانون ہے“ وہ جو چاہتا ہے، کر سکتا ہے رعایا کو کسی قسم کے دخل دینے کا حق نہیں۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ انگریزی گورنمنٹ، اسی قسم کی گورنمنٹ ہے، تو تمام بحثوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے، پر جوش نیشنل کانگریس، اور مردہ مسلم لیگ دونوں بیکار چیزیں ہیں لیکن وہ انگلو انڈین بھی جو ہندوستانیوں کو کسی قسم کے حقوق دینے پر راضی نہیں، ان کے نزدیک بھی گورنمنٹ انگریزی کی نسبت ”شخصی حکومت“ کا لقب ایک قومی عار ہے، جس کو کوئی انگلش مین کبھی گوارا نہیں کر سکتا، اب انگریزی گورنمنٹ شخصی نہیں تو پارلیمنٹری (دستوری) ہے، اگرچہ طرز حکومت بظاہر شخصی ہے یعنی ایک خاص خاندان شاہی وراثتہ فرماں روا ہوتا ہے لیکن حکومت کا نظم و نسق، پارلیمنٹ، ہوس آف لارڈز اور ہوس آف کامنز سے مرکب ہے، اس لئے شخصیت دراصل اعلیٰ درجہ کی جمہوریت ہے، اس اصول کے تسلیم کر نیکے ساتھ کہ انگریزی گورنمنٹ دراصل پارلیمنٹری (دستوری) ہے پالیسی اس کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے، یعنی یہ کہ رعایا کو انتظام حکومت میں ہر قسم کی مداخلت ہو، اظہار رائے اور نکتہ چینی کا حق حاصل ہے، بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ رعایا محکوم بھی ہو اور حاکم بھی، وہ خود اپنے لئے قانون بناتی ہو، اور خود اس پر عمل کرتی ہو،

انگلستان میں یہ مسئلہ بالکل صاف ہے، لبرل اور کنسرویٹیو، دونوں میں سے کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا لیکن ہندوستان میں اگر اس مسئلہ کا رخ بدل جاتا ہو، اور وہی نقطہ ہے جہاں سے ہماری یعنی ہندوستانیوں کی پالیسی کا خط شروع ہوتا ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا ایک عمدہ اصول حکومت، ایک پر فخر جمہوریت، ایک بے نظیر

قانون انصاف، صرف اس وجہ سے قالب بدل کر دفنہ اپنی تمام خصوصیتیں کھو دیتا ہے کہ ملک اور رنگت بدل گئی ہے؟ کیا ہندوستان کی خاک نے حاکمانہ دماغ نہیں پیدا کئے ہیں؟ کیا اس وسیع سرزمین میں بڑے بڑے مدبرین ملک نہیں گذرے؟ کیا یہاں کے مقننوں نے بانیانِ قانون کی صف میں ممتاز درجہ نہیں چل کیا؟ کیا اسی ملک نے اکبر اعظم ٹوڈر مل، ابوالفضل، عہد الملک، اور سر سالار جنگ نہیں پیدا کئے؟ جو خاک ان جواہرات کو پہلے پیدا کر سکتی تھی، کیا انگریزی گورنمنٹ کے مبارک عہد میں اس شرف سے محروم ہو گئی ہے؟ یہ قیاس اور احتیاط کی ضرورت نہیں، واقعات اور تجربے کیا شہادت دے رہے ہیں؟ ہندوستانیوں میں سے جن لوگوں کو حکومت کی بلند ذمہ داریاں دی گئیں، ان میں سے کون امتحانِ مقابلہ میں ناکام میاں رہا؟ کیا اس سے انکار ہو سکتا ہے کہ سید محمود، بدر الدین طیب جی، مولوی امیر علی بہترین جج تھے، کیا اس میں کسی کو شبہ ہے کہ نور و زجی پارلیمنٹ کا کامیاب ممبر تھا؟ کیا گوگلہ کی صدائے شہرت لندن میں نہیں گونجی؟ کیا سید علی امام اپنے ہمسروں کی صف میں علانیہ نمایاں نہیں ہے؟ لیکن چونکہ ایک مدعی کا دعویٰ گوگنا ہی زبردست ہو آسانی سے تسلیم نہیں کیا جاسکتا، اس لئے ہم کو یہ دیکھنا ہو کہ سب سے بڑی معدلت گاہ نے اس مسئلہ کے متعلق کیا فیصلہ کیا ہو؟ غدر کے بوجہ جب عنانِ حکومت حضورِ ملکہ معظمہ نے اپنے ہاتھ میں لی، تو پچھلے تجربہ کے نتیجہ کے طور پر یہ اعلان دیا کہ ہندوستان میں جو حکومت کجا رہے گی اس میں رنگ اور قومیت کا امتیاز نہ ہوگا، یہ اعلان حضورِ محمود کی ذاتی رائے نہ تھی، بلکہ وہ پارلیمنٹ کی ملک کی انگریزی قوم کی باضابطہ آواز تھی، ہم کو معلوم ہے کہ لارڈ کرزن اس اعلان کو دل خوش کن وعدہ سمجھتے تھے، لیکن لارڈ کرزن کو کیا حق چل ہو کہ وہ ایسے جائز، ایسے قابلِ فخر، ایسے پر انصاف، ارشادِ شاہی

دوسرے
ہا، اور
کر سکتا ہو
اسی قسم
اہم لیگ
دینے پر
قب ایک
ضی نہیں
خاندان
نٹ لارڈ
ہے، اس
پارلیمنٹ
مارا
وہ خود
سے کوئی
ہو، اور
تا ہے
بے نظیر

کی غلط تعبیر کر کے اسکی عظمت اور قوت کو پامال کریں؟
 لیکن ان سب باتوں سے قطع نظر، دیکھنا یہ ہو کہ اس سمر کہ میں فتح و شکست کا کیا فیصلہ
 ہوا جس زمانہ میں اول اول ہندوستان کی طرف سے حقوق طلبی کا مقدمہ انصاف کی عدالت
 میں پیش ہوا، اس وقت سے آج تک برابر انگلوانڈین کی طرف سے پرزور تھاومت ہے
 لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ روز بروز حریت کو شکست ہوتی گئی، وہ بڑے بڑے عہدے جو ان کے لئے
 مخصوص، اور گویا زمین ممنوعہ تھے، ان سے خصوصیت کا پردہ اٹھ گیا، کلکتہ، بمبئی، الہ آباد
 مدراس، پنجاب کے ہائی کورٹوں میں ہندوستانی انگریزوں کے ساتھ دوش بدوش بیٹھے
 آج ایوان گورنری کے چھستونوں میں سے ایک ستون عظیم ہندوستان ہے، اور سب سے بڑھ کر
 کہ رفارم اسکیم نے گویا سلف گورنمنٹ (ذیر حمایت برطانیہ) کا سنگ بنیاد رکھ دیا،
 جو جدوجہد، جو سعی و عمل جو پر جوش کوششیں ملک میں جاری تھیں، ناممکن تھا کہ مسلمان
 ان سے بے اثر رہتے، پہلی محض دوکان داروں کی منڈی ہے مسلمانوں میں وہاں نام کو
 تعلیم نہیں جس زمانہ کا یہ ذکر ہے، اس وقت تک تمام بمبئی میں ایک گریجویٹ بھی نہیں پیدا
 ہوا تھا، اور آج بھی دو چار سے زیادہ نہیں، تاہم اس خاک نے بدرالدین طیب جی پیدا
 کیا جو نیشنل کانگریس کی خطرناک پریسیڈنٹی قبول کرنے سے بے چھجکا، اور جو سرکاری ملازمت
 یعنی ہائی کورٹ کی ججی کے زمانہ میں بھی اپنی آزاد خیالی کو دبا نہ سکتا تھا، اس تا جرانہ
 منڈی کا دوسرا ممبر رحمت اللہ سیانی تھا، اور اس نے بھی مینسٹری اعظم دلیرانہ حاصل کیا تھا
 مدراس میں سید محمد اور کلکتہ میں مسٹر امیر سی پالیٹس میں ہاتھ لگانے سے ڈرتے نہ تھے، ان
 واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک کا ذرہ ذرہ پالیٹس کی روشنی سے چمکتا تھا، لیکن یہ نہایت
 قجب انگیزات ہو کہ ممالک مغربی و شمالی اور اگرہ و دہلی و پنجاب جو ایک زمانہ میں مرکز

حکومت اور ہندوستان کے جسم کا دل و دماغ رہ چکا تھا، جہاں مسلمان نسبتاً ہندوستان کے تمام حصوں کی نسبت زیادہ تعلیم حاصل کر چکے تھے، جہاں عربی عجم کے بہترین خاندانوں کی یادگار موجود تھیں، وہ پالیٹکس سے اس قدر بے حس رہا کہ آج بھی پالیٹکس کا نام لیتا ہے، تو زبان لٹکھڑاتی ہے، اس عجیب اور حیرت انگیز اختلافِ حالت کا سمجھنا آسان نہیں، یہ حالت قدرتی اور اصلی نہ تھی، بلکہ پرزور رکاوٹوں نے پیدا کی تھی، وہ پرزور دست و قلم جس نے اسبابِ بناوٹ ہند لکھا تھا، اور اس وقت لکھا تھا جب کورٹ مارشل کے ہیبت ناک شعلے بلند تھے، وہ بہادر جس نے پنجاب یونیورسٹی کی مخالفت میں لارڈ لٹن کی بیسیوں کی وجہاں اڑادی تھیں، اور کچھ اس نے ان تین آرٹیکلوں میں لکھا، کانگریس کا لٹریچر حقوقِ طلبی کے متعلق اس سے زیادہ پرزور لٹریچر نہیں پیدا کر سکتا، وہ جاں باز جو اگر کے دربار سے اس نے برہم ہو کر چلا آیا تھا کہ دربار میں ہندوستانیوں اور انگریزوں کی کرسیاں برابر درجہ پر نہ تھیں، وہ انصاف پرست جس نے بیگمالیوں کی نسبت کہا تھا، "میں اقرار کرتا ہوں کہ ہمارے ملک میں صرف بیگمالی ایسی قوم ہیں جن پر ہم واجبی طور سے فخر کر سکتے ہیں، اور یہ صرف ان ہی کی بدولت ہے کہ علم اور آزادی اور حبِ وطنی کو ہمارے ملک میں ترقی ہوئی، میں صحیح طور پر کہہ سکتا ہوں کہ وہ بایقین ہندوستان کی تمام قوموں کے سر تاج ہیں" (دیکھو تقریر ریڈنٹ مسلم لیگ بمقام لاہور) حالات اور گرد و پیش کے واقعات نے اس کو اس پر مجبور کیا کہ اس نے تمام اسلامی پبلک کو پالیٹکس سے روک دیا، یہ کیوں ہوا؟ کن اسباب سے ہوا؟ کس چیز نے یہ اختلافِ حالت پیدا کر دیا؟ ان سوالات کا جواب دینا آج غیر ضروری بلکہ مضر ہے،

آج اجتہاد اور تقلید سے آزادی کا زمانہ ہے، آج ہر کوئی مسئلہ کو اس بنا پر مانتا ہے انکار کرنا نہیں چاہئے، کہ کسی بڑے سے بڑے شخص کی رائے اس کے متعلق کیا ہو؟ بلکہ اس

ت کا کیا فیصلہ

ت کی علت

ومت ہے

ان کے لئے

بھی، الہ آباد

ن بدوش میٹھے

بیت بڑھکتا

لکھیا،

ت تھا کہ مسلمان

وہاں نام کو

یہ بھی نہیں پیدا

سیب جی پیدا

مرکاری ملاز

ن تا جرات

حاصل کیا تھا

نہ تھے، ان

لیکن یہ نہایت

مانہ میں مرکز

کہ فی نفسہ وہ مسئلہ کیا ہی؟ ہم مسلمان (وہ لوگ ہیں کہ پیغمبر کے سوا کسی کو معصوم نہیں سمجھتے، ہمارے
ایک بڑھیا نے فاروق اعظمؓ کو سر منبر ٹوک دیا تھا، کیا ہماری تمام عقل و سمجھ، دل و دماغ، تجربہ
مشاہدہ، جذبات و احساسات سب اس لئے بیکار ہو جانے چاہئیں کہ کسی رفارمر نے کسی ما
میں کہا تھا؟

تاہم ہم کو ایک فہم اس نامور لیڈر کے ارشادات کو اس نظر سے دیکھنا چاہئے کہ وہ ایک
موقت شریعت تھی، یا اب ہماری پولیٹیکل زندگی کا وہ ابدی قانون ہی، سرسید مرحوم کی مشہور
پولیٹیکل سیسج کا جس کی خود غرضانہ قدر دانی کا ثبوت مسٹر بک نے اس کو تار پر ولایت بھیجے
سے دیا تھا، سنگ بنیاد یہ تھا، اگر کونسل کے ممبر انتخاب سے مقرر ہوں تو کسی طرح مسلمانوں
کی تعداد ہندوؤں کے برابر نہیں ہو سکتی، کیونکہ ہندوؤں کی تعداد ہندوستان میں بمقابلہ مسلمان
کے چوگنی ہے، پس جو طریقہ انتخاب کا قرار دیا جائیگا، اس سے اگر ایک مسلمان ممبر ہوگا تو چار
ہندو ہوں گے، اور اگر بغرض محال کوئی ایسا قاعدہ رکھا جائے جسکے رو سے ہندو اور مسلمان
دونوں قوموں کے ممبر برابر ہیں، تو موجودہ حالت میں ایک مسلمان بھی ایسا نہ بچے گا جو اس
کی کونسل میں بمقابلہ ہندوؤں کے کام کرنے کے قابل ہو۔

یہ خطرہ بالکل بجا تھا، اور اب بھی ہے، لیکن بہر حال یہ تو وجود میں آچکا، فارم اسکیم نے
یہ خطرناک قاعدہ جاری کر دیا، اور تمام مسلمان صرف اتنی ترمیم پر راضی ہو گئے، کہ مردم شماری
کی نسبت سے ان کی تعداد زیادہ رہے، اور ان کے ممبروں کا انتخاب خود ان کے ہاتھ میں
ہو، اس ترمیم کا اگرچہ اصل مسئلہ پر کچھ اثر نہیں پڑا، مسلمان اب بھی منارٹی میں ہیں، اور ہمیشہ رہیں گے
لیکن اس ترمیم کی کامیابی پر جو درحقیقت سرسید کی نافرمانی تھی، تمام ہندوستان کے مسلمانوں
نے اس سرے سے اس سرے تک خوشی کے نعرے بلند کئے، نیشنل کانگریس کی شرکت

اگر اس لئے بُری تھی کہ وہ انتخابی اصول چاہتی تھی اور مسلمان کسی طرح اس اصول کو تسلیم نہیں کر سکتے تھے، تو انتخابی اصول بہر حال آج وہ قبول کر چکے،

تقریر مذکورہ بالا کا دوسرا ٹکڑا یعنی موجودہ حالت میں کوئی مسلمان والیسرے کی کونسل میں ممبری کرنے کے قابل نہیں ہو، علی گڑھ اسکول کے سچاٹ سے بالکل سچ ہے، لیکن کیا بدرالدین طیب جی، سٹرامیر علی، رحمت اللہ سیانی، اس زمانہ میں اس کام کے قابل نہ تھے؟ اور کیا آج سید علی امام، سید حسن امام، منہراحق، اپنے ہندو حریفوں سے کم ہیں، بے شبہ ان میں سے کوئی شخص مجموعی حیثیتوں سے گو کھلے نہیں ہو، لیکن خود ہندوؤں میں دوسرا گو کھلے کوئی علی گڑھ نے سیکڑوں، ہزاروں اعلیٰ درجے کے دل و دماغ کی تربیت کی، ہزاروں گریجویٹ بنائے، کامیڈ، کاؤیٹر، سچا دھیر جیسا انشا پر داز، اور ظفر علی خاں جیسا دلیر بیدار کیا جو ایسے قابل اشخاص پیدا کر سکتا تھا، کیا وہ بدرالدین طیب جی اور علی امام نہیں پیدا کر سکتا تھا، لیکن جس عضو سے کام نہیں لیا جاتا وہ بیکار ہو جاتا ہو، اس لئے پولیٹیکل تعلیم سے محروم رہنے کا یہ لازمی نتیجہ تھا، اور یہی ہونا چاہئے تھا، سرسید کے ارشادات کا ایک فقرہ یہ ہے: ”اگر بالفرض کوئی ایسا مسلمان نکل بھی آئے، تو ہرگز یہ امید نہیں کہ وہ اپنے کاڑو چھوڑ کر سفر کی تکلیف گوارا کر کے تمام اخراجات، جو ایک ممبر کونسل کے لئے زیبائیں، اپنے پاس سے برداشت کر کے یا قوم سے چنڈہ کر کے کلکتہ اور شملہ میں حاضر رہے گا۔“

کاش سرسید آج زندہ ہوتے، اور دیکھتے کہ ایک مسلمان نہیں، بلکہ کئی، اور کئی سے بھی زیادہ کلکتہ اور شملہ کا سفر کرتے ہیں، اور مفتوں وہاں موجود رہتے ہیں، اور ہر قسم کے مصارف برداشت کرتے ہیں، مسلمان خدا کے فضل سے ایسے فیاض ہیں کہ والیسرے کی کونسل کا تو کیا ذکر ہے بعض مجالس کے سالانہ جلسوں میں سینکڑوں، ہزاروں کو س کا سفر

میں نہیں سمجھے ہمارے
و دماغ، تجربہ
اور مرنے کی ہا

سے کہ وہ ایک
عوم کی مشور
پر ولایت بھیجے
رح مسلمانوں
میں بمقابلہ مسلمان
میر ہو گا تو چاہا
ہندو اور مسلمان
علی کا جو واسطہ

رفارم اسکیم
کہ مردم شمار
ت کے ہاتھ میں
اور ہمیشہ رہیں
ن کے مسلمانوں
کی شرکت

کر کے آتے ہیں، اور چند باتیں کر کے چلے جاتے ہیں نیشنل کانگریس کی مخالفت کی سب سے بڑی وجہ سرسید نے یہ ظاہر کی تھی، کہ اگر مقابلہ کا امتحان، جو نیشنل کانگریس کے مطالبات میں ہو، ہندوستان میں جاری ہوا، تو کمینہ قوموں کو حکومت کی کرسیاں نصیب ہوں گی، اور ہندوستان کی شریف قومیں اپنے ملک کے ایک ادنیٰ درجہ کے شخص کا جس کی جڑ بنیاد سے واقف ہیں، کبھی اپنی جان اور مال پر حاکم ہونا پسند نہ کریں گے۔

لیکن ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، کہ بڑھئی، جلاہے، رائیں گاڑیں، بڑے بڑے عہدوں پر پہنچے، اور بڑے بڑے تیس مارخانوں اور نسل تیمور اور آل ہاشم نے ان کے آگے گردنیں جھکا دیں،

سرسید نے اس تقریر میں یہ فرمایا تھا کہ بنگالی اس قدر بزدل ہیں کہ چھری کی صورت دیکھ کر، کرسی پر سے گر پڑتے ہیں، اور میر کے نیچے رینگنے لگتے ہیں، جب یہ فقرہ کہ لیا تھا بالکل سچ تھا، لیکن کیا آج بھی سچ ہے؟ جب زمانہ اس قدر دور نکل آیا ہو، جب تمام حالات بالکل بدل گئے ہیں، جب موجودہ زمانہ نے پرانا سین بالکل ڈراپ کر دیا، تو کیا وہ شمع جو رات کے وقت جلائی گئی تھی، روز روشن میں بھی رہنمائی کا کام دیگی؟

عورتوں کی تعلیم، ٹیکنیکل تعلیم، سائنس کی تعلیم کے متعلق سرسید کو جو بے اعتنائی تھی، ان چیزوں میں ہم ان کی مخالفت کر کے گنہگار ہو چکے ہیں، ایک پارلیمنٹس کا گناہ اور سی، یہ ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر

لیکن بحث کا اصل پہلو اب بھی نظر انداز نہ کیا ہو، سرسید نے نیشنل کانگریس سے روکا تھا لیکن نیشنل کانگریس اور پارلیمنٹس مراد الفاظ نہیں ہیں، پارلیمنٹس کے متعدد اسکول ہیں ان میں لبرل ہیں، کنسرویٹو ہیں، ریڈیکل ہیں، اور یہ سب پارلیمنٹل فرقے ہیں نیشنل کانگریس پارلیمنٹس

کا ایک خاص اسکول ہو، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ خاص اسکول ہمارے لئے مفید نہیں، سوال یہ ہے کہ ہم کو مطلقاً پبلکس میں پڑنا چاہئے یا نہیں؟ یعنی ہمارے کچھ حقوق گورنمنٹ پر ہیں یا نہیں؟ انتظام حکومت میں ہم کو بھی مداخلت کا حق ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے، تو ہم کو اس کا مطالبہ کرنا چاہئے، یا نہیں؟ سرسید نے مختلف موقعوں پر ملکی تعلیمی معاملات میں جس لہجہ میں حقوق کا مطالبہ، اور آزادانہ اظہارِ رائے کیا، کون اس سے زیادہ کر سکتا ہے؟ لارڈ ولٹن نے جب پنجاب میں مشرقی یونیورسٹی قائم کی، تو سرسید کو خیال پیدا ہوا کہ اس سے انگریزی تعلیم کا گھٹنا مقصود ہے، اس وقت انھوں نے ”تہذیب الاخلاق“ (بار دوم) میں تین ایسے پرچوش آرٹیکل لکھے جن میں لارڈ ولٹن کی اسکیم کی دھیماں اڑا دیں، اس کے چند فقرے یہ ہیں :-

”ہم نہایت سچائی اور گورنمنٹ کی خیر خواہی سے بتانا چاہتے ہیں کہ سمجھ دار اور دور اندیش ہندوستانی ان تمام کارروائیوں سے گورنمنٹ کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں، نہایت بد خیال ان کے دل میں پیدا ہوتا ہو، چند سال گزرے کہ ان کو یقین کامل تھا کہ گورنمنٹ کو درحقیقت ہکو واقعی تعلیم دینا منظور نہیں ہی..... وہ ہکو ایسا مرکب بنانا چاہتی ہے کہ اسبابِ لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دے، اس کو انتظام اور انتظام دفتر کے لئے چند ایسی پتلیاں درکار ہیں جو انگریزی لکھ سکتی ہوں“

”کچھ عرصہ نہیں گذرا کہ ہندوستانیوں میں سے یہ خیال دور ہوا تھا..... مگر ہندوستانی خوب سمجھتے ہیں کہ تھوڑے دنوں سے بعض مدبرین سلطنت کی پالیسی پھر بدلی ہے اور ہندوستانیوں کو اب اعلیٰ درجہ کی تعلیم دینا مناسب نہیں سمجھتی“

”ہم پر احسان رکھ کر ہکو دھوکے میں پھر ڈالا جاتا ہے، کہ ہم تمہارے مشرقی علوم اور تمہاری مشرقی زبان کو ترقی دیتے ہیں، مگر ہم پوچھتے ہیں کہ کیوں؟ اور کس مطلب سے؟“

سب سے بڑی بات میں ہو ہوں گی، اس کا جس کی

بڑے بڑے ان کے آگے

ان کی صورت یا گیا تھا بالکل م حالات لیا وہ شمع

نی تھی ان سہ

ہو کا تھا لنگھان میں پائیں

اس کا جواب کسی پیرایہ میں دیا جائے، اور کیسے ہی ٹیٹھے لفظوں میں دیا جائے، اس کا نتیجہ یہی ہے کہ غلام کی حالت میں رکھنے کے لئے۔“

”ہمارے لئے سیدھا ہاتھ کھلا ہوا ہے،..... جو فیض تعلیم و تربیت ہم نے ان مہذب ملکوں میں حاصل کیا ہے، اسکو اپنے ہم وطنوں اور ہم قوموں میں پھیلا دیں۔“

”بیشک ایسا کرنے میں بہت مشکلات ہیں،..... اور اپنی فتح مندر قوم کے ان تنگدل لوگوں کی مزاحمت کا برداشت کرنا ہی جو ہماری سوشل اور پولیٹیکل حالت کی ترقی کو اپنی طبعی تنگدلی کے برخلاف سمجھتے ہیں،..... مگر ہم کو اپنی قوم کی بھلائی پر نظر رکھنی چاہئے، اور جو کچھ اور مشکلات پہنچو، انہیں نہایت تحمل اور خیر مزاجی سے برداشت کرنی چاہئیں۔“

جب الہ آباد یونیورسٹی قائم ہو رہی تھی، اور سر سید کو کھٹکا ہوا کہ اس میں بھی مشرقی تعلیم کو وسعت دیجائے گی تو انھوں نے ایک رٹیکل لکھا جس کے یہ الفاظ تھے،

”علوم مشرقی کی ترقی کا دھوکا دیکر انگلش ہائی ایجوکیشن کو گھٹانا اور جس طرح ایک تیلی اپنے کو لھو کے پیل کی آنکھیں بند کر کے دن رات ایک ہی سرکل میں پھرائے جاتا ہے، اسی طرح ہندوستانی رعایا کی آنکھیں بند کر کے دن رات ایک ہی چکر میں ڈالے رکھنا، بیشک ایک نامہذب گورنمنٹ کا کام ہے۔“

”ہم کو گورنمنٹ کی پالیسی کی کچھ پروا نہیں کرنی چاہئے، اور خود اپنے انگلش ہائی ایجوکیشن کے حاصل کرنے کی کوشش کرتی چاہئے، اور اگر ہم میں سلف سپکٹ کا کچھ بھی اثر باقی ہے، تو گورنمنٹ کو دکھادینا چاہئے کہ بلاشبہ گورنمنٹ کو لوگوں کی جانوں پر اختیار ہے، مگر لوگوں کی رایوں پر نہیں۔“

جو نسبت ہمت آج سر سید کی پیروی کا دم بھرتے ہیں اور پالیٹکس سے علیحدہ رہنے کے لئے سر سید کے مختص اصلاحات فہرات پیش کرتے ہیں، انھوں نے سر سید کے پولیٹیکل شاہنامہ میں صرف ”مینزہ نم“ یاد رکھا ہے۔

لے فو دو سی کے شاہنامہ کا مشہور شعر ہے، مینزہ نم دخت افریاب و برہنہ ندیدہ تم آفتاب۔

بہر حال سرسید نے انگریزوں کا نگرس سے روکا تو اچھا کیا، کانگریس میں شریک ہونا
 پھر بھی تقلید تھی، جو ہمارا عار ہے، ہکو خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہئے، ہکو اپنا راستہ آیت
 کرنا چاہئے ہماری ضروریات ہندوؤں کے ساتھ مشترک بھی ہیں اور جداگانہ بھی، اس لئے ہکو
 جداگانہ پولیٹیکل ایسٹج کی ضرورت ہے، اس موقع پر ہنچکر دفعہ ہمارے سامنے ایک چیز نمودار
 ہوتی ہے، ”مسلم لیگ“ یہ عجیب انخفت کیا چیز ہے؟ کیا یہ پانٹیکس ہے؟ خدا نخواستہ نہیں، اٹی کانگریس
 ہے؟ نہیں، کیا ہوس آف لارڈز ہے؟ ہاں سو انک تو اسی قسم کا ہی،

(۴ مارچ ۱۹۱۲ء)

(۳)

ہمارے پچھلے دور انگلوں نے ہمارے دوستوں کو سخت برہم کر دیا ہے، ہمارا جرم، مفروضہ
 نہیں، بلکہ سنگڑوں جراثیم کا مجموعہ ہے، ہم نے مسلمانوں کی سنی سالہ پانٹیکس کی بے احترامی کی، ہم
 مسلمانوں کی پولیٹیکل پالیسی سے بغاوت کی، ہم نے اتفاق عام کے شیرازہ کو درہم کرنا چاہا،
 ہماری گستاخوں سے ڈر ہے کہ لیڈروں کی عظمت و نشان میں فرق آجائے، ہمارا الجھت
 ہے، ہم لیگ جی پر زور انٹیٹیوشن کی عظمت کے منکر ہیں، ہم مصنف کے درجہ پر قانع نہ ہو کر
 پولیٹیکل لیڈر بننا چاہتے ہیں، ہم کونسل کی مبری کے امیدوار ہیں،

ایسے خطرناک جرائم کی تحقیقات کے لئے فوراً انکو زیر نشین کی عدالتیں قائم کی جائیں، معلوم
 نہیں قوم کا کیا حال ہو جاتا؟ اس لئے راولپنڈی اور فیض آباد یعنی مشرق و مغرب دونوں
 سروں پر قیصر اور چودھویں صدی کے حرم میں عدالتیں قائم ہو گئیں، اور پے در پے اجلاس ہوئے
 لیکن دونوں عدالتوں کے حوٹ میں کسی قدر فرق ہو فیض آباد کی عدالت نے صرف ہم کو مجرم
 قرار دیا ہے، لیکن راولپنڈی کی عدالت گاہ کے کھڑے ہیں ہمارے ساتھ چند اور مجرم نظر آتے

ہے کہ

مذہب

تنگدل

طبی

رجو

تعلیم کو

سی

ہندوستانی

کا کام

ایک

گورنمنٹ

نہیں

لئے

یاد رکھا

اب

ہیں، ان میں چند نوجوان (کامریڈوز سینڈار) ہیں جن کی مصیبت کا ہکو غم نہیں، وہ جوان جہاں
ہیں، ان کڑیوں کو جھیل لیں گے، لیکن اسی حلقہ میں ایک ہفتاد سالہ بڑھا (وقار الملک) بھی بیڑی
سرسید مرحوم کا صحبت یافتہ، اور قومی تعلیم گاہ کی خدمت کرتے کرتے اس کی کمر خم ہو گئی ہے، اس پر
صریح اور صاف بغاوت کا الزام ہے، وہ عدالت کے سامنے زبان حال سے کہہ رہا ہے، مصرع

غازی جو توئی روست کا فریودن

سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ اگر ہماری موجودہ پالیسی کوئی اصلی پالیسی ہے، تو باوجود اس کے
کہ اس کو تیس برس کی قدامت کا حق حاصل ہے، باوجود اس کے کہ اس کے صدر نشین اور وزرا
تمام ہندوستان کے انتخاب و رد دولت و عزت کے دیوتا ہیں، باوجود اس کے کہ اس کے
آرگنائزیشن کا وسیع سلسلہ تمام ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے، باوجود اس کے کہ تمام اسلامی جماعتیں
اس کے حلقہ میں بندھ چکی ہیں، باوجود اس کے کہ مسلمان گورنمنٹ سے جو کچھ کہتے ہیں اسی کی زبان
سے کہتے ہیں، باوجود اس کے کہ سپرٹ الیکشن جیسے محرکہ میں وہ فتح کامل حاصل کر چکی ہے، باوجود
ان تمام باتوں کے ذرا سی ہوا بد لے سے دفعہ تیس برس کا بنانا یا کھیل بگڑ جاتا ہے، ایک پرزور
عمارت ایک خفیف صدمے سے متزلزل ہو جاتی ہے، ایک عالمگیر اور پرزور پالیسی میں دفعہ
ہر جگہ سرکشی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں،

جو شخص دو برس تک مسلم لیگ کا سکریٹری رہ چکا ہو، وہ خود اس کی بے اعتباری کا
مرثیہ پڑھتا ہے، قومی اخبارات کا لہجہ بدل جاتا ہے، لیگ کا صیغہ راز ایجنڈیشن کی تلقین پر آمادہ
ہوتا ہے، پالیسی کا مرکز ثقل یعنی ملکی مطالبات میں ہندوؤں سے الگ رہنا، اصل جگہ سے ہٹ
جاتا ہے، ولایت کی مسلم لیگ یہ تجویز پیش کرتی ہے کہ اب دونوں ڈانڈے قریب تر آجائیں
اور ایک مشترکہ پلیٹ فارم قائم ہو،

ہم پر اکثر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ہم لیگ پر اعتراض کرتے ہیں، لیکن خود نہیں بتاتے کہ صحیح پالیٹکس کیا ہے،

اگرچہ ہم آگے چل کر صحیح پالیٹکس بتائیں گے لیکن سچ یہ ہے کہ صرف یہ سمجھ لینا کہ موجودہ پالیٹکس غلط ہے، یہی صحیح پالیٹکس ہے، غلط پالیٹکس کے جراثیم قوم کے دل و دماغ میں سرایت کر گئے ہیں، اور یہی جراثیم صحیح پالیٹکس کی طرف متوجہ ہونے نہیں دیتے، اگر سرے سے پالیٹکس کی مخالفت کی جاتی، تو آسان تھا کہ صحت کی حقیقت سمجھا دی جاتی، لیکن آپ سب کو تسلیم کر کے کہہ دیتے ہیں کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا، ابھی صرف تعلیم کی ضرورت ہے، یہ ایک مختصر سا جملہ مسئلہ کی تمام اہمیت اور جذبات کے تمام جوش کو دفعۂ برباد کر دیتا ہے، اور آپ وہیں پہنچ جاتے ہیں، جہاں تیس برس پہلے تھے،

سب سے بڑھ کر خطرناک غلطی ہے کہ ایک فرضی بیکار چیز مسلم لیگ، پیش کی جاتی ہے اور ظاہر کیا جاتا ہے کہ یہ پالیٹکس ہے، قوم جو تیس برس کی افسوں گری سے متول ہو چکی ہے عالم کو کہتا ہے، اس کو ویسا ہی نظر آتا ہو، اس لئے آج ہزاروں اچھے پڑھے لکھے اس سراب کو چشمہ زندگی سمجھ رہے ہیں،

یونان میں ایک مصور تھا، اُس نے مصوری کی تعلیم کی فیس دس روپیہ مقرر کی تھی لیکن جو شخص کسی اور مصور سے کچھ اور سیکھ کر آتا تھا، اس سے دو گنی فیس لیتا تھا، لوگوں نے سبب پوچھا اس نے کہا کہ دس روپیہ اس بات کے لیتا ہوں کہ جو کچھ پہلے سیکھ کر آیا ہے، اس کو اس کے دل سے مٹاؤ ورنہ پچھلی غلط تعلیم کا اثر باقی رہ جاتا ہو، اس بنا پر پالیٹکس کی بحث میں سب سے بڑا اور مقدم کام یہ ہے کہ یہ سمجھا دیا جائے کہ مسلم لیگ نہ آج بلکہ ہزار برس کے بعد بھی پالیٹکس نہیں ہو سکتی، مسلم لیگ کیونکر قائم ہوئی؟ کب قائم ہوئی؟ کس نے قائم کی؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ وحی دہقول سبر سید مرحوم،

وہ جوان جہاں

بے بھی ہو

ہو گئی، اس پر

کہہ باہو،

باوجود اس کے

شین اور وزرا

کے کہ اس کے

م اسلامی عتیں

یہ اسی کی زبان

لے چکی ہو، باوجود

ماہی، ایک پرنس

رپالیسیں دفعہ

یہ اعتباری کا

لیفٹن پر آمادہ

ل جگہ سے ہٹ

یہ تر جاتیں

خود دل سے اٹھی تھی، یا کوئی فرشتہ اوپر سے لایا تھا؟ یہ سوالات اگرچہ اصل مسئلہ پر کسی قدر اثر رکھتے ہیں، اور اگرچہ ان کے جواب دینے کا حق ہم کو اسی قدر حاصل ہے جس قدر خود بانی اول کو، (کیونکہ جب یہ تماشہ ہو رہا تھا تو ہم کو پردہ کی طرف جھانکنے کی اجازت تھی) تاہم اس سے ضروری باتیں درپیش ہیں، اور ہم کو پہلے ان کی طرف متوجہ ہونا چاہئے،

امور تنقیح طلب حسبِ میل ہیں،

۱) کیا لیگ کا کانفیڈیشن پالیٹکس سے مطابقت رکھتا ہے؟

۲) کیا اس میں پالیٹکس کی علامات پائی جاتی ہیں؟

۳) کیا مسلم لیگ مسلم لیگ کر کسی کام کے قابل ہو سکتی ہے؟

لیگ کا سنگل ولین شملہ کا ڈیپوٹیشن تھا، اور اب یا آئندہ جو کچھ اس کا ترکیبی نظام قرار ڈیپوٹیشن کی روح اس میں موجود رہے گی، ڈیپوٹیشن کا مقصد سرِ پایہ تھا، اور یہی ظاہر بھی کیا گیا تھا کہ جو ملکی حقوق ہندوؤں نے اپنی سی سالہ جدوجہد سے حاصل کئے ہیں، اس میں مسلمانوں کا حصہ متعین کر دیا جائے،

آج مسلم لیگ کو شرم مٹانے کے لئے کبھی کبھی عام ملکی مقاصد میں سے بھی کسی چیز کو اپنی کارروائی میں دخل کر لیتی ہے، لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ یہ اس کے چہرہ کا استعارہ غارہ ہو، رات دن جو شور مچایا جاتا ہے، روزمرہ جس عقیدہ کی تعلیم دی جاتی ہے، جو جذبہ ہمیشہ اُبھارا جاتا ہے وہ ضرور یہ ہے کہ ہندو ہکو دبا لیتے ہیں، اس لئے ہم کو اپنا تحفظ کرنا چاہئے، مسلم لیگ کا اصل عنصر صرف یہ ہے، باقی جو کچھ ہے، موقع اور محل کے لحاظ سے تصویر میں کوئی خاص رنگ بھر دیا جاتا ہے ہم شملہ ڈیپوٹیشن کی عظمت اور اہمیت کے منکر نہیں، وہ سب بڑا تماشہ تھا، جو قومی سیج پر کیا گیا لیکن گفتگو یہ ہے کہ رعایا میں سے دو قوموں کی باہمی نزاع اور چارہ جوئی کا نام پالیٹکس ہے؟ اگر یہ ہے

تو سرکاری عدالتوں میں ہر روز کچھ ہوتا ہے سب پالیٹکس ہیں، اور ہائی کورٹ کو ہائی کورٹ نہیں بلکہ سیاست کا وہ عظیم کننا زیادہ موزوں ہوگا،

جیسا کہ ہم اس مضمون کے پہلے حصہ میں لکھ آئے ہیں، پالیٹکس کا خط وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں سے یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ انتظام حکومت میں رعایا کی شرکت کس حد تک ہونی چاہئے، یعنی پالیٹکس گورنمنٹ اور رعایا کے باہمی مطالبہ جات کا نام ہے، نہ رعایا کے باہمی منازعات اور حقوق طلبی کا۔

اب کانگریس اور مسلم لیگ کے ریزولوشنوں کا باہم موازنہ کرو گا کہ جس نے ۱۹۱۰ء سے تک جو ریزولوشن پاس کئے ان میں سے بعض یہ ہیں:-

(۱) گورنمنٹ کی کارروائیوں پر ایک شاہی کمیٹی جس میں ہندوستانی ویلیگیٹ کافی مقرر ہوں،
(۲) انڈیا کونسل کی منسوخی،

(۳) سول سروس کا امتحان ہندوستان میں بھی قائم ہو،

(۴) لیجسلیٹو کونسلوں کی وسعت و اصلاح،

(۵) فوجی اخراجات کی کمی،

(۶) افلاس ہندوستان کی تیسرا اور ہندوستانی ویلیگیٹ کی شرکت،

(۷) جرمانہ زیر وارنٹ ہشن میں انتقال مقدمہ کرا سکیں،

(۸) جوڈیشل اور ایکزیکوٹو اختیارات کی تفریق،

(۹) ہندوستانی والیٹیئر بنائے جائیں،

(۱۰) صنعتی تعلیم کا انتظام،

(۱۱) بندوبست اتماری،

پر کسی قدر اثر
بانی اول کو
اسے ضروری

بی نظام قرار
ماہر بھی کیا گیا
مسلمانوں

سی چیز کو اپنی
رات دن

باتا ہوا وہ ضرور

کا اہل عضو

بھرا دیا جاتا ہے

ی ایسج پر کیا گیا

یہ اگر یہ ہے

(۱۲) پولیس کی اصلاح،

(۱۳) محکمہ آبکاری کی وسعت کی روک،

(۱۴) مقدمات کا فیصلہ بذریعہ چوری،

(۱۵) تعلیمی اخراجات کا اضافہ،

یہ وہ مطالبات ہیں کہ اگر پورے کر دیئے جائیں تو ہندوستان کی قیمت بدل جائے اس کے مقابلہ میں لیگ کے مطالبات ملاحظہ ہوں،

(۱) سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کو زیادہ حصہ ملنا چاہئے،

(۲) مسلمانوں کی نیابت کے اصول کو منسوخ اور بورڈ میں بھی وسعت دیجائے،

(۳) لیگ ان کوششوں کی نسبت افسوس ظاہر کرتی ہے، جو اردو کے نقصان پہنچانے کے

متعلق کیج رہی ہیں،

(۴) ٹرانسوال میں ہندوستانیوں کے حقوق کا لحاظ کیا جائے،

(۵) اسلامی اوقاف کی تحقیقات کیجائے،

(۶) وقت علی الاطلاق کے مسئلہ کو تسلیم کیا جائے،

یہ اعلیٰ ترین اور اہم ترین مطالبات ہیں جو لیگ نے پیش کئے ہیں، دونوں فریقوں کے مطالبات کی عظمت اور اہمیت اور دائرہ اثر میں جو فرق ہو تم خود سمجھ سکتے ہو، شاید کہا جائے کہ پچھلے کی طرح وہ اذکار بالا خوانی اور طمع خام کون سی رنگ کے قابل چیز ہے، لیکن جسے کانگریس نے ملکی مطالبات کا دیباچہ شروع کیا، اس وقت سے آج تک کے انتظامی تغیرات کا اگر مطالعہ کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ سلف گورنمنٹ (زیر گورنمنٹ انگریزی) کا قدم برابر آگے بڑھتا جاتا ہو، لیکن تھوڑی دیر کے لئے اس سوال سے قطع نظر کہ دونوں کے منہائے خیال میں ملندی

وہی، وسعت اور تنگی کا کیا فرق ہے؟ یہ دیکھنا چاہئے کہ لیگ جو کچھ چاہتی ہو، کس طریقہ سے چاہتی ہے؟ لیگ گورنمنٹ سے درخواست کرتی ہو کہ اوقات بیجا طریقہ سے صرف ہو رہے ہیں، انکی نگرانی کی تدبیر اختیار کی جائے، گورنمنٹ جواب دیتی ہو کہ ثابت کرو کہ اوقات کا انتظام بُرا ہو، اور یہ کہ اور مسلمان بھی نگرانی کے خواہش مند ہیں، اس جواب پر دُورس گزر جاتے ہیں، اور لیگ خواب غفلت کی انگڑائیاں لیتی ہو، گورنمنٹ کا یہ حق طلب تھا، اس کے جواب میں لیگ کو یہ کرنا تھا کہ ایک موریل تیار کرتی، تمام ہندوستان کے مسلمانوں سے اس پر دستخط کرائے جاتے، ہر صوبہ کی مقتدر شخصیں عرضداشتیں بھیجتیں، تمام اخبارات ہم آہنگی کی صدائیں بلند کرتے، اسکے ساتھ واقعات اور اعداد سے اکثر اوقات کی بد انتظامی ثابت کر دی جاتی،

جس گروہ کے نزدیک، صرف زبان سے کوئی لفظ بول دینا، پٹکیں ہے، وہ کیونکر پٹکیں کی حقیقت سمجھ سکتا ہے، پٹکیں ایک سخت قومی احساس ہو، اس کا ظہور بیکار کے طریقہ پر نہیں ہوتا، یہ احساس جب دل میں پیدا ہوتا ہو، تو دل و دماغ اور اعصاب مصروف کا ہو جاتے ہیں، اور خود بخود جہد و جہد، محنت و سعی، تگ و دو، اثار و محویت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں، لیگ کا طرز عمل بتاتا ہو کہ اسکی آواز ایک مصنوعی اور خارجی آواز ہے، لیگ اس پر اصرار کرتی ہے کہ سپرٹ لیکشن کا اصول مینوسپیٹوں میں جاری کیا جائے، لیکن سوال یہ ہے کہ جہاں یہ اصول جاری کر دیا گیا، (دو اسیر لے کی کونسل، اور صوبجات کی کونسل، وہاں اس سے کیا کام لیا گیا؟ کونسلوں میں ہمارے قائم مقاموں نے کس قسم کے سوالات کئے؟ کیا کیا اصلاحی تدبیریں پیش کیں؟ جن سُنوں پر گفتگو کی، وہ بازاری گفتگو تھی، یا کسی ماہر فن کی؟ ہندو و ہمر تمام ضروری رکارڈوں کا مطالعہ کرتا ہے، اعداد و ہم پہنچاتا ہو، اور کوئی اہم، دقیق اور نتیجہ خیز سوال کرتا ہے، جو عام آدمیوں کے دائرہ معلومات سے بالاتر ہوتا ہے، اس کے مقابلہ میں

بدل جائے اس کے

ماتے

نہ پہنچانے کے

فریقوں کے

ما جائے کہ پٹوں

سے کانگرس نے

مرطالعہ کیا جائے

ستاجاتا ہو

ضال میں ملدی

ہمارا پوٹیکل قائم مقام کونسل میں نہایت زور شور سے الزام دینے کے لہجہ میں سوال کرتا ہے کہ گورنمنٹ کو معلوم ہے یا نہیں، کہ فلاں نختار خانہ میں وکلاء کے بیٹھنے کے لئے کرسیوں اور موڈیوں کا انتظام ہے یا نہیں؟

پالیٹکس دنیا کا سب سے بڑا جذبہ ہے وہ مذہب کے برابر طاقت رکھتا ہے، وہ انسان کے تمام جذبات کو زندہ کرتا ہے، اس سے تمام قوتیں مشتعل ہو جاتی ہیں، وہ انسان میں ہر قسم کا تشاؤ اور خود فروشی پیدا کر دیتا ہے، کیا ہماری موجودہ پالیٹکس نے یہ اوصاف ایک شخص میں بھی پیدا کئے ہیں، کیا پالیٹکس کے دائرہ میں آنے والا شخص ایک ذرہ بھی اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ وہ کسی قسم کے نقصان کے لئے تیار ہے؟ کیا وہ اپنے آپ میں کوئی عزم اور دلیری مانتا ہے؟ کیا ہمارے پوٹیکل تماشا گروں میں ایک شخص بھی تیار ہوا، جو سرونٹ آف انڈیا سوسائٹی جس میں اس وقت تیس شخص موجود ہیں، کی طرح اپنی تمام زندگی، باوجود گریجویٹ ہونے کے، تیس روپیہ ماہوار پر قوم کے لئے نذر کر دے؟ کیا گروکل جس میں تین سو شخص تعلیم پارت ہیں، کی کوئی مثال ہم نے پیدا کی ہے؟ جناب ایمرے کے حضور میں ڈیپوٹیشن کے ممبر بننے کے لئے تمام ملک نے اپنی خدمتیں پیش کی تھیں، لیکن ذرا سوال کو بدل دو، یعنی ڈیپوٹیشن کو دوسرے کی خدمت میں نہیں، بلکہ کسی ادنیٰ معمولی درجہ کے حاکم کے پاس جانا ہوتا، تو گو مقصد کتنا ہی اہم ہوتا، تاہم ممبروں کی تعداد کس حد تک بجاتی ہے؟ اس سوال کو ذرا اور ترقی دو، یعنی فرض کرو کہ ڈیپوٹیشن کے جانے سے یہ احتمال ہوتا کہ کسی شگفتہ اور روشن پیشانی پر شکن پڑ جائے، تو تعداد کا دفعہ کس درجہ تک نیچے اتر آتا؟ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کا نفس خود ان کو دھوکا دیتا ہے، یہ سمجھتے ہیں کہ سال میں دور دراز سفر اختیار کر کے پالیٹکس کے میلے میں جانا بھی ایشیاٹک ہو، لیکن کیا سال بھر میں ایک مشغلہ تفریح، نمود و نمائش کا ایجنڈا، جاہ نمائی کا ایک شاگاہ، ایشیاٹک ہو سکتا ہے؟

درخت پھل سے پہچانا جاتا ہو، اگر ہماری پائیکس دراصل پائیکس ہوتی، تو جدوجہد اور اپنا
و خود فروشی کے جذبات خود بخود ساتھ پیدا ہوتے،

اکثر یہ کہا جاتا ہے، اور گمراہی کا یہ ایک بڑا افسوس ہے، کہ ہندوؤں میں پچاس برس کے امتداد
یہ جہتیں پیدا کی ہیں، دوچار برس میں ایسے نتائج کی توقع کیونکر کی جاسکتی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جب
پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھی جاتی ہو تو، رع "تاثریامی رو دیوار کج"،

ایٹافنس، پائیکس پر ختم نہیں، اس کے اور بھی سینکڑوں مظاہر ہیں، دوسرے شعبوں میں اپنا
کا کون سا منظر نظر آیا؟ یونیورسٹی کو پائیکس سے کوئی تعلق نہیں، یونیورسٹی کے فیلو مسلمان بھی ہیں اور
ہندو بھی، ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ہندو ممبر جب یونیورسٹی کے اجلاس میں جاتا ہے تو
مسائل زیر بحث پر تیار ہو کر جاتا ہے، تمام رکارڈوں کو ساتھ رکھتا ہے، لوگوں کو پہلے سے اپنا
ہم رے بناتا ہے، بجالات اس کے ہماری تعلیم گاہوں کے تربیت یافتہ جلسہ میں جا کر یہ بھی
خبر نہیں رکھتے، کہ ان کے سامنے کیا ہونے والا ہے،

امتداد اور درازی زمانہ کو کوئی دخل نہیں، طریق عمل اگر ٹھیک ہو تو پہلے ہی دن سے
نتائج کے آثار ٹھیک نظر آنے لگتے ہیں تعلیم میں آج جہاں ہم ہیں، ہندو آج سے ساڑھے
برس پہلے وہیں تھے، لیکن ہندوؤں نے اس زمانہ میں، راجہ رام موہن رائے اور گنیش چندر
پیدا کر دیئے، اور ہم آج سو برس کے بعد بھی اس قسم کی مثالوں کی توقع نہیں کر سکتے ہمیں
مسلمانوں میں کچھ بھی تعلیم نہیں، تاہم وہاں بدرالدین طیب جی پیدا ہوئے جو کانگریس کا
پریسڈنٹ ہو سکتا ہے،

مالک متحدہ ہماری تعلیم کا مرکز ہے، اور ہزاروں گریجویٹ تیار کر چکا ہے، لیکن "جی حضور"
کے سوا وہ کیا چیز پیدا کر سکا ہے؟ اس سے معلوم ہوگا کہ امتداد زمانہ اور وسعت تعلیم اصل چیز نہیں

کرتا ہے کہ
ن اور مندرجہ

نسان کے
ہر قسم کا

ن ایک

ن بات کو

ن کی عزم او

ن آفت نڈا

ن ریجوس ہوتے

ن یم پار ہے

ن برہمنے کے

ن بن کو دیکر

ن رکنا ہی ہم

ن کر کہ

ن تعداد کا

ن کا دیر پا

ن ہو لیکن

ن ہو سکتا ہے؟

بلکہ طریق عمل اور تخیل کا فرق ہو،

سب سے آخری بحث یہ ہے کہ مسلم لیگ کا نظام ترکیب کیا ہو؟ اور کیا وہ قیامت تک درست ہو سکتا ہو؟ پہلا سوال یہ ہے کہ کیا مسلم لیگ اس خصوصیت کو چھوڑ دیگی، کہ اس کو سب سے پہلے دولت اور جاہ کی تلاش ہو، اس کو اپنے صدر انجمن کے لئے، نیابت صدر کے لئے، سکریٹری شپ کے لئے، ارکان کے لئے، اضلاع کے عہدہ داروں کے لئے، وہ ہرے مطلوب ہیں جن پر طلائی رنگ ہو؟ لیکن پولیٹیکل بساط میں ان ہموں کی کیا قدر ہو؟ کیا ایک معزز رئیس، ایک بڑا زمیندار، ایک حکام رس دولت مند کسی تحریک کے لئے اپنی جائداد، اپنی حکام رس، اپنی فرضی آبرو کو نقصان پہنچانا گوارا کر سکتا ہو؟ ہندوؤں کے پاس زمینداری دولت اور خطا کی کمی نہیں لیکن کیا انھوں نے تیس برس کی وسیع مدت میں کسی بڑے زمیندار اور قلعہ دار کو پریسڈنٹ کا کرسی نشین کیا؟ کیا اس کے پریسڈنٹوں میں کسی کا سر، خطاب کے تاج سے آراستہ ہے؟ لیکن ہم سب سے پہلے اجلاس میں پریسڈنٹ کے لئے ایک ایسے شخص کو تلاش کر رہے ہیں جو بھارت میں جس نے پائیکس کا لفظ تمام عمر نہیں سنا تھا، انگریزی، عربی، فارسی، اردو، کوئی زبان نہیں جانتا تھا اور عین اجلاس کے وقت جب اس کی طرف سے ایک شخص اس کی پریسڈنٹ شل ایج بٹھو رہا تھا تو وہ بیچارہ حیران تھا کہ یہ کون سی بولی بول رہا ہو،

آج کل کسی شخص کی پرائیویٹ حالت پوچھنا خلاف تہذیب ہو لیکن بہ ضرورت مسلم لیگ سے اگر یہ سوال کیا جائے، کہ مالی حالت کے لحاظ سے آپ کی ہستی کیا ہو؟ تو جواب ملے گا کہ ایک خاص ”دستِ کرم“ اس بنا پر مسلم لیگ کے تمام منصوبے، تمام تجویزات، تمام ارادے اس ”دستِ کرم“ کے اشاروں پر حرکت کرتے ہیں،

مسلم لیگ کے نظام ترکیب کی سخت غلطی، اس کی شاخوں کا وجود ہے، یہ ظاہر ہے کہ

گھر چھوڑ چھوڑ کر نئی آبادیوں میں بھاگتے جاتے ہیں، مالگنداری کے وقت ہزاروں، لاکھوں کے زوراً رہن ہو کر سیّد و مہاجنوں کے گھر پہنچ جاتے ہیں، باہنہ ہر تیسویں سال نیا بندوبست ہوتا ہے، اور زمیندار نئے بندوبست کے نام سے دہل جاتا ہے،

قرض کروا اگر بنگال کی طرح ہمارے ملک میں بھی استمراری بندوبست ہو جائے، تو یہ ہندوستان کے حق میں رحمت ہوگا، یا یہ کہ چند مسلمانوں کو موجودہ تعداد سے زیادہ نوکریاں مل جائیں (۲) سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تمام انتظامی کاموں میں یہ خواہش کی جائے کہ ہندوستانیوں کی شرکت ہو، گو کھلے نے یہ بل پیش کیا تھا کہ ہر ضلع میں ایک کونسل چھ آدمیوں کی قائم ہو، اور کلکٹر ضلع ان کے مشورہ سے انتظامی امور میں لائے، کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ اپنا حال ہم دوسروں سے زیادہ جان سکتے ہیں، کس کو اس سے انکار ہو سکتا ہے کہ اپنی تکلیف کا جس قدر احساس ہم کو ہو سکتا ہے، دوسرے کو نہیں ہو سکتا، اس لئے یہ سب سے عمدہ تدبیر تھی، جو ملک کی بہبودی کے لئے پیش کی جاسکتی تھی، لیکن یہ بل نامنتور کر دیا گیا،

مختصر یہ کہ بجز کسی خاص ریزولوشن کے باقی تمام ان تجاویز کو جو کانگریس میں پیش کی جاتی ہیں مسلم لیگ کو اپنے پروگرام میں داخل کرنا چاہئے، اور اسکی منظوری کے لئے اس طرح قانونی جہد کرنا چاہئے جس طرح ہندوؤں کا مارٹن فرقہ کرتا ہے،

(۳) مولوی امیر علی صاحب نے حال میں جو صورت تجویز کی ہے، یعنی یہ کہ مشترکہ مسائل میں مسلمانوں اور ہندوؤں کا ایک مشترک اسٹیج قائم ہو، اور جب حضور و ایسر لے کی خدمت میں ڈیوٹیشن جائے تو دونوں گروہ کے ممبر برابر کے شریک ہوں، یہ نہایت صحیح تجویز ہے، اور اسکو فوراً اختیار کرنا چاہئے،

دہم مسلم لیگ کی انتظامی کمیٹی بڑے بڑے زمینداروں اور علاقہ داروں سے بالکل

خالی کر لی جائے، صرف وہ لوگ شریک کئے جائیں، جو آزادی اور حق گوئی کے ساتھ اظہارِ رائے کر سکیں،

(۵) سب سے بڑی اور سب سے مقدم ضرورت یہ ہے کہ قوم میں پالیٹکس کا مذاق پیدا کیا جائے پالیٹکس ایک وسیع علم ہے، اس کے مسائل اور معلومات کا ایک عظیم الشان ذخیرہ ہے، ان کو بقدر ضرورت اپنی زبان میں لایا جائے، نہایت مسائل پر سائل اور مفیٹ شائع کئے جائیں کچھ لوگ مقرر کئے جائیں جو ملک میں دورہ کریں، اور پالیٹیکل مسائل پر عالمانہ لکچر دیں، جو دلائل اور معلومات اور اعداد پر مبنی ہوں،

(۶) چند لوگ انیری یا تنخواہ دار مقرر کئے جائیں جو کسی کسی خاص مسئلہ کے متعلق معلومات ہم پہنچائیں، مثلاً کسی ایک ضلع کے صدر مقام میں قیام کر کے ان امور کی تحقیقات کریں کہ جس برس پہلے ضلع کی کیا حالت تھی؟ کتنے بڑے بڑے زمیندار تھے؟ کن لوگوں کے پاس زمینداریاں تھیں؟ اب کیا حالت ہے؟ کتنی زمینداریاں نیلام ہو گئیں؟ کس قسم کے قرضوں میں نیلام ہوئیں؟ بندوبست کا کیا اثر پڑا؟ کاشتکاروں کی کیا حالت ہے؟ کتنے آدمی دوسرے ممالک میں چلے گئے؟ اس قسم کے اعداد اور واقعات سے پرنسپل یادداشتیں تیار ہو سکیں گی اور گورنمنٹ ان سے فائدہ اٹھا سکے گی، (۴)

ہندو مسلمانوں کا اتحاد | مسائل پالیٹکس کا یہ ایک اہم مسئلہ قرار دیدیا گیا ہے، یعنی چونکہ ان دونوں میں اتحاد ناممکن ہے، اس لئے پالیٹیکل معاملات میں ہمارا اور ہندوؤں کا کوئی ایلیج نہیں بن سکتا اس ٹیل کے اگرچہ دونوں ٹکڑے غلط ہیں، لیکن اس فتنہ کو جس قدر کوئی بھڑکانا چاہے بھڑکا سکتا ہے، اولاً فطرت انسانی جس قدر اختلاف کے لئے موزوں ہو، اتفاق کے لئے نہیں ہو، یہی وجہ ہے کہ اختلاف کی حالت میں جس طرح تمام جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں، اتفاق کی حالت

لے زور
ہو، اور

تو یہ
لے جائیں
رستائیں
اور کلکٹر

لے ہم
س قدر
مک

باتی ہیں
نہ جہد
نہ جدو

میں
میں

اور

بالکل

میں نہیں ہو سکتے، دوسرے مسلمانوں کی آب و گل میں رزم جوئی ہو، یہ وصف عیب ہو یا ہنس،
لیکن بہر حال یہ ہمارا اصلی جوہر ہے، جو ہمیشہ مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہوا ان
سب پرستزاد کی خبر کے چلانے یا قوم کے لیڈر بننے کا یہ ایک آسان نسخہ ہے، کہ فریقانہ جذبات
کو برا نگینہ کر دیا جائے،

تاریخی ترتیب اور منطق کے استدلال تمثیل کے لحاظ سے ہم کو ہندوؤں کی پچھلی تاریخ پر نظر
ڈالنی چاہئے، یہ ظاہر ہے کہ ہندو کبھی ایران، عرب پر چڑھ کر نہیں گئے تھے، اس کے بجائے ان کے
ملک پر خود ہم نے حملہ کیا، ہم نے ان کا مشہور کعبہ "سومناٹ" برباد کر دیا، ہم نے بنارس اور
متھرا کے شوالے ویران کر دیئے،

ہندوؤں کی خاندانی روایتیں ان زخموں کو ہمیشہ ہرا رکھتی ہیں، لیکن جب اکبر نے
ایک دفعہ محبت کی نگاہ اٹھا کر ان کی طرف دیکھ لیا، تو یہی زخم خوردہ دل محبت سے چورتھے، ہمارا
راجپوتوں اور مہراجوں نے نہ صرف جان و مال، بلکہ اپنا ننگٹ ناموس تک حوالہ کر دیا، یعنی
بیٹیاں تک دیدیں،

یہ اکبر کا جبر اور راجپوتوں کا خوشامدانہ کام نہ تھا، جبر اور خوشامد دل کی رگوں میں گھرنے
کر سکتے، جہانگیر کا بیٹا دُخسرو، باغی ہوا تو اس کی ماں نے جو جے پور کی رانی تھی، خسرو کو بہت
سمجھایا، لیکن جب وہ ناخلف نہ مانا، تو یہ غیر متند راجپوتن یہ نہ دیکھ سکی، کہ اس کی کوکھ بغاوت سے
داغدار ہو، اس نے افیون کھائی اور مر گئی، جہانگیر اس کی غیر متندانہ شرافت کی داد ان الفاظ میں دیتا
"مکر خیر و مقدمات نوشت، و اوراد لالت بہ اخلاص و محبت من می کرد، چوں دید کہ

یہ بیچ فائدہ ندارد، عاقبت نامعلوم است کہ کجا بخر خواہد شد، از غیرتے کہ لازمہ راجپوتانی

است، خاطر زندگ خود قرار داد"

جہانگیر پر اس وفاداری کا جواثر ہوا، خود اس کے الفاظ میں سننا چاہئے،
 ”از فوت او بنابر تعلیق کہ داثم ایسے بر من گذشت کہ از حیات و زندگانی خود هیچ کو
 لذت نہ داثم، چار شبانہ روز کہ سی و دو پہر باشند از غایت کلفت و اندوہ چہرے از اکول
 و مشروب دار و طبیعت نہ گشت“

یعنی اس کے مرنے سے مجھ پر ایسے دن گذرے کہ اپنی زندگی سے مجھ کو کچھ حظ نہیں ملتا تھا
 چار دن رات کہ تیس پہر ہوتے ہیں، کھانے پینے کی کوئی چیز میں استعمال نہ کر سکا،
 یہ سچے جذبات، یہ حیرت انگیز محبت، یہ جگر گداز اثر، خوشامد سے نہیں پیدا ہوتے،
 اکبر کے دربار کے ستون اعظم یرم خاں، خان اعظم کو کلتاش، بہادر خاں صوبہ دار تھے، ان
 میں کس کا دامن بغاوت کے داغ سے پاک ہے؟ لیکن یہ بدنامی کسی ہندو راجہ نے نہیں
 اٹھائی، مان سنگھ کو اکبر نے راجپوتوں کے قبیلہ اعظم، یعنی ہمارا نہ اودے پور کے مقابلہ پر بھیجا،
 جس کی یہ عزت تھی کہ جب وہ اپنے پاؤں کے انگوٹھے سے راجاؤں کی پیشانی پر تھک دیتا
 تھا، تب وہ راجہ ہو سکتے تھے، مان سنگھ بے عذر گیا، اور اودے پور سے معرکہ آرا ہو کر
 فتح حاصل کی،

اکبر سے لے کر عالمگیر تک کس درباری ہندو نے بغاوت کی؟ عالمگیر کے مقابلہ میں ہند
 بے شبہہ تھوارے کر بڑھے، لیکن کیوں؟ اس لئے نہیں کہ وہ مسلمان ہے، بلکہ اس لئے کہ وہ شاہجہاں
 کی مرضی کے خلاف داراشکوہ کا باغی ہے، اس وقت عالمگیر اور داراشکوہ، دو حریف مقابل
 تھے، ہندوؤں نے عالمگیر کے مقابلہ میں داراشکوہ کا ساتھ دیا، کیونکہ وہ شاہجہاں کا ولیعہد تھا
 عین معرکہ کارزار میں جب راجہ روپ سنگھ دھارانا اودیپور کا نواسا فوجوں کو چیرتا ہوا
 عالمگیر کے قریب پہنچ گیا، تو لٹکار کر بولا، ”ارے تو دارا کا مقابلہ کرنے چلا ہے، اس فقرہ کا

ہو یا ہندو
 بھی ہوان
 رقیانہ جزا

نایخ پر نظر
 ے ان کے
 اس اول

نب اکبر نے
 تھے، بہادر
 یا یعنی

میں گھر نہیں
 رو کو بہت

اوت سے
 غاظ میں تیا

لجہ بتاتا ہے کہ وہ ہندوؤں کے جوش سے نہیں، بلکہ دارا کی محبت سے نکلا ہے،
 شاہجہاں کے بعض اطراف میں ہندوؤں نے بغاوت کی، لیکن وہ ایک مذہبی غلط
 فہمی تھی، اور کوئی راجہ یا ہمارا جہ اس میں شریک نہ تھا، اور وہ بہت جلد فرو ہو گئی، عالمگیر
 دکن چلا گیا، اور پچیس برس تک دہلی کا پایہ تخت خالی رہا، اس سے بڑھکر راجپوت اجاؤں
 کے لئے کیا عمدہ موقع تھا کہ دہلی پر حملہ آور ہوتے، یا کم از کم راجپوتانہ میں علم بغاوت بلند کرتے
 لیکن جے پور اور جودھ پور میں، جو راجپوتی طاقت کا مرکز تھے، نکسیر تک نہ پہنچی، شیواجی
 نے البتہ بغاوت کی، سکھ بھی باغی ہوئے، لیکن یہ نوخیز ملکی دعویٰ درست تھے، اس کو بغاوت سے
 تعلق نہ تھا، بلکہ خود سری اور نئی سلطنت کی ابھرنے والی قوت تھی، دنیا میں جن لوگوں نے
 اپنے دست بازو سے نئی نئی سلطنتیں قائم کیں، کون ان کو باغی کہہ سکتا ہے؟ ورنہ تیمور اور
 اسکندر سے بڑھ کر کون باغی ہو سکتا ہے،

یہ ایرانی داستان تھی، آج بھی دیہات اور قصبہات میں چلے جاؤ تو ہندو اور مسلمان بھائی
 بھائی کی طرح ملتے ہیں، وہ اسی طرح مسلمانوں کی تعقیبات میں شریک ہوتے ہیں جس طرح
 خود ان کے عزیز اقارب شریک ہوتے ہیں،

ایک سال میں نے پٹنالا میں عید کی نماز ادا کی، عید گاہ کی عمارت اچھی دیکھ کر میں نے
 سوال کیا تو معلوم ہوا کہ ہمارا جہ پٹنالا نے اس کی تعمیر میں معقول امداد دی ہے، یہ بھی معلوم ہوا
 کہ راجہ کا عام حکم ہے کہ جب کوئی نئی مسجد تعمیر ہو تو کم از کم خزانہ ریاست سے چھ تھوڑے روپے دیئے
 جائیں، حالانکہ ہمارا جہ کا خاندان سکھ ہے، جو مسلمانوں کا سب سے بڑا حریف فرقہ سمجھا جاتا ہے،

کہا جاتا ہے کہ ہندو ہماری قومی زبان اُردو کو مٹا رہے ہیں، لیکن کیونکر؟ کیا اس طریقہ
 سے کہ اُردو زبان کے عمدہ سے عمدہ ترجمگزیں اور رسالے (ادب اور زمانہ) ہندو نکال رہے ہیں؟

اور اردو مصنفین کی متدافرائی کر کے بہت سے نئے انشا پردازان اردو تیار کر رہے ہیں؟ کیا اس طریقہ سے کہ ممالک متحدہ کے قابل ہندو، اردو انشا پردازی میں مسلمان انشا پردازوں کے دوش بدوش چل رہے ہیں؟ زمانہ کے اوراق اُلٹتے ہوئے بارہا میں نے ہندو مضمون نگاروں کو شریک نگاہ سے دیکھا ہے، کیا اس طریقہ سے کہ پولیٹیکل معلومات کے لحاظ سے اردو کا بہترین پرچہ ہندوئی ہے؟ جس کو ایک ہندو اڈیٹ کرتا ہو؟

اسی کے مقابلہ میں مسلمانوں نے اردو پرستی کا کیا ثبوت دیا ہو؟ ممالک متحدہ میں ان کا کونسا علمی پرچہ ہو؟ ان کی انجمن اردو کس مرض کی دوا ہے؟ اردو مصنفین کی کیا قدر افزائی کی جا رہی ہے؟ ہندوؤں کا سب سے بڑا جرم نیشنل کانگریس قائم کرنا تھا جس نے اب تک دونوں گروہوں میں حد فاصل قائم کر دی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر مسلمان اپنا بیج بنے بیٹھے رہے، اور اگر وہ پائس سے خوف کھاتے رہے اگر ان کو ویرلے کی کونسل کے بیٹھنے کے بجائے لوندوں کے ساتھ کتبیں بیٹھنا زیادہ پسند تھا، اگر ان میں کسی قسم کا عزم، حوصلہ، ہمت، اور حقوق طلبی نہ تھی، تو کیا ہندوؤں کا یہ فرض تھا، کہ وہ بھی اپنا بیج اور بے دست و پا بنجاتے،

ان تمام خیالات سے اگرچہ ہمارے فرضی رہبروں کا گروہ مخالفت ہے، لیکن مخالفت کا انقبس واپس ہے، قوم تیس برس تک حقی بن چکی، اب اس کے حال پر رحم کھانا چاہئے، اور قوم کو سمجھنے دینا چاہئے کہ یہ پولیٹیکل سواناک حقیقت میں پائیس نہیں ہو۔

مسلم گزٹ لکھنؤ

۹ اکتوبر ۱۹۱۲ء

فہمی
بند ہی غلط
ہو گئی، عالمگیر
تہ اجاڑا
تہ بلند کرتے
نی ہینوا جی
ناوت سے
دگوں نے
رہ نہ تھوڑا
لی
لمان بھا
س جس طرح
ریں نے
می معلوم ہوا
پے دیے
ماہی
اس طریقہ
نحال ہوئی

(۵)

پچھلے آرٹیکل میں ہم نے مسلم لیگ کی موجودہ حالت اور ہندو مسلمانوں کے اتحاد کے متعلق بحث کی تھی، ہیکو مسرت ہے کہ مضمون کے پہلے حصہ سے اکثر بزرگوں کو اتفاق ہے اور قوم کے بعض نہایت ممتاز لیڈروں نے ہیکو یقین دلایا ہے کہ اب کے سالانہ اجلاس میں لیگ کا نظام قریباً بدل دیا جائیگا، اور جو تجویزیں ہم نے لیگ کی اصلاح کی پیش کی ہیں، قریباً قریب لیگ اسی قالب میں ڈھل جائیگی، اگر یہ صحیح ہے تو پھر ہیکو لیگ کی مخالفت کی کوئی وجہ نہیں ہوگی اور ہم سب سے پہلے اس کے آگے گردن جھکا دیں گے،

لیکن آرٹیکل کے دوسرے حصہ نے ہمارے اکثر اعزہ اور اجاب بلکہ قریباً تمام قوم کو آزدہ کر دیا ہے، اور سچ یہ ہے کہ ان کی یہ آزدگی بیجا بھی نہیں ہے، ہمارے گو کچھ ہی ہو اور گو اس پر ایہ کے اختیار کرنے کی کوئی وجہ ہوئی ہو لیکن یہ بالکل سچ ہے کہ اس مضمون نے بظاہر میزان عدل کا ایک پلہ بالکل جھکا دیا ہے، ہم نے ہندوؤں کی وفاداری اور نیک طبعی کی ستہ ردانی کی، لیکن مضمون کے پڑھنے والے پر ساتھ ہی یہ اثر پڑتا ہے کہ مسلمان قابل الزام تھے مسلمانوں کی بے نیکی کا ہم نے ایسے لفظوں میں ذکر کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم مسلمانوں کو مجرم سمجھتے ہیں مضمون سے مجموعی طور پر یہ اثر بھی پڑتا ہے کہ ہندو نے مسلمانوں کے ساتھ جو وفاداری کی یہ ان کا احسان تھا، مسلمانوں کی فیاضی کی قیمت بھی لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ دونوں خیال غلط ہیں، اس غلطی کی اصلی وجہ ایک اور غلطی تھی، یعنی ہم نے یہ فرض کر لیا کہ مسلم گزٹ کے تمام ناظرین ہمارے ان مضامین کو پڑھ چکے ہیں، جو عالمگیر اور جہانگیر اور مسلمانوں کی بے تعصبی کے متعلق شائع ہو چکے ہیں،

اس

نہیں

زمانہ

خود

ای

بت

مضمون

ناظر

ملاحظہ

جو

قیمت

چاہ

حاج

سو

بنو

مسلمانوں نے جس قدر بت ٹکیناں کیں، مذہبی تقصیر نہ تھیں، بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس زمانہ میں مذہب اور پالٹیکس مخلوط تھے یعنی حرفت کی ملکی طاقت کا مٹنا بغیر اس کے نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کی مذہبی طاقت کو بھی مغلوب کر دیا جائے، آج ایسے روشن زمانہ میں لارڈ کچنر کو جیسی سودانی کی قبر اسی غرض سے اکھڑا کر برباد کر دینی پڑی اور خود ہندوؤں نے اسی ضرورت سے اپنے زمانہ اقتدار میں سینکڑوں مسجدیں برباد کر دیں اسی بنا پر مسلمانوں نے حملہ کے وقت تباہی گرائی، لیکن امن و امان اور تسلط کے بعد بھی کوئی بت خانہ نہیں گرایا گیا، اور جو بت خانے گرائے گئے، اُن کے خاص پولیسنگل اسباب تھے یہ مضمون اس قدر وسیع ہے کہ اس آرٹیکل میں سما نہیں سکتا، اور اس لئے ہم یہ مجبوری اپنے ناظرین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ کم از کم مضامین عالمگیر مطبوعہ کانپور کو ایک دفعہ ملاحظہ فرمائیں،

اس مضمون میں ہم اس پہلو کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہندوؤں نے جو کچھ ہمارے ساتھ کیا وہ اُن کا احسان نہ تھا، بلکہ ہمارے احسانات اور فیاضیوں کی قیمت تھی، اور یہ کہنا مشکل ہو کہ یہ قیمت اصل مال کے برابر بھی تھی یا نہیں، ہندوؤں کی وفاداری کا زمانہ اگر سے شروع ہوتا ہے، اس لئے یہ تفصیل سننا چاہئے کہ اس واقعہ کی ابتداء کیونکر ہوئی اور کس طرح اُس نے وسعت حاصل کی،

ہمایوں کے زمانہ میں اتیر میں جو بے پور سے چندیل پر واقع ہے، ایک چھوٹی سی ریاست تھی، یہاں کاراجہ پرگتی راج کچھواہ تھا، ہمایوں کے مرنے کے بعد جا بجا جو بغاوتیں برپا ہو گئیں، ان میں حاجی خاں نے جو شیر خاں کا غلام تھا، نارنول کا محاصرہ کیا

کے اتحاد کے
تفاق ہے اور
بلاس میں لگ
ہیں، قریب
کی وجہ نہیں ہوئی

نہ قریب تمام
ہماری نیست

ل سچ ہے کہ
کی وفاداری
پڑتا ہے کہ
کیا جس سے
نا ہے کہ ہندو
کی قیمت یہ تھی
یعنی ہم نے

جو عالمگیر

اس محاصرہ میں پرتھی راج کا بیٹا راجہ بھارال بھی شریک تھا، نارول پر مجنون خاں بھی تھا، جو پہاڑی امر میں تھا، راجہ بھارال نے مجنون خاں سے دوستانہ نامہ و پیغام کر کے نارول کو لے لیا، اور مجنون خاں کو عزت و آبرو کے ساتھ رخصت کر دیا، جب اکبر نے کاروبار سنبھالا تو مجنون خاں نے راجہ بھارال کے اوصاف اکبر سے بیان کئے، اکبر قابلیت و لیاقت کا عام سردار تھا، فوراً طلبی کا فرمان کیا، اور تخت نشینی کے پہلے ہی سال راجہ مذکور نے ملازمت شاہی حاصل کی،

ایک موقع پر جب اکبر مست ہاتھی پر سوار ہو کر نکلا، تو ہاتھی جس طرف رخ کرتا تھا لوگ پھٹ جاتے تھے، اتفاق سے ہاتھی راجہ بھارال کی طرف جھکا، راجہ اپنے راجپوتوں کے اپنی جگہ پر جا رہا، اکبر دیرانہ اداؤں کا شید تھا، بے اختیار راجہ کی طرف دیکھ کر بول اٹھا کہ ”جھکو نہال کروں گا“

سہ جلوس میں چونکہ راجہ کے بھتیجے راجہ سو جانے سرکشی کی تھی، اس لئے اجیر کے صوبہ دار نے اسکو شکست دے کر جاکہ انیس پر قبضہ کر لے، راجہ بھارال نے پہاڑوں میں جا کر پناہ لی اسی سال اکبر اجیر کی زیارت کو گیا، اور جب اس کو یہ حال معلوم ہوا تو راجہ بھارال کو بلا بھیجا، راجہ نے سانگائیں آکر اریا بی حاصل کی، اور پہلے ہی دربار میں اکبر نے اسکو انعامات اور قدر دانیوں سے اس قدر زیر بار کر دیا کہ راجہ نے خود قرابت کی درخواست کی، اکبر نے منظور کیا، سانجھ میں شادی کی رسمیں ادا ہوئیں، اور راجہ کی لڑکی، حرم شاہی میں داخل ہوئی، راجپوتی اور تیموری خون کی آمیزش کا یہ پہلا دن تھا،

راجہ کی وفا شعاری کا جو صلہ اکبر نے دیا وہ یہ تھا کہ راجہ جو ابھی تک ایک معمولی راجہ تھا ”عرش ایشانی دیتی اکبر، پایہ قدر اور از جمیع راجہ ہا وریان ہندوستان گذر ایندہ“

لے پرتھی راج کا بیٹا
راجہ بھارال کا بیٹا
راجہ بھارال کا بیٹا
راجہ بھارال کا بیٹا
راجہ بھارال کا بیٹا

سیلہ

ایک

اور

تھا

لیک

چل

ایک

اکبر

ار

نہا

تیمو

س

فرزندان و بنابر و اقوام اور بادشاہات بزرگ مناقب اور جہنم اختیار بخشیدہ سرادھیان وار کا
ہندوستان ساخت (ماثر الامار جلد ۲ ص ۱۱۴)

راجہ بھارل کے بعد راجہ بھگونت داس اسکا جانشین ہوا، اکبر نے اسکی بیٹی سے شاہزادہ
سلیم (جہانگیر) کا عقد کیا،

اکبر نے دہلی کی جو عزت افزائی کی، دنیا کی تاریخ اس کی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتی، ہم
اپنے ناظرین کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ جس حد تک چاہیں قیاس کے جو لاہنگاہ کو وسعت دیں
اور دیکھیں کہ کیا طرہ ہم بھی اس حد تک پہنچ سکتا ہوں؟ کیا دہلی پر زور جو اہرشار کئے گئے؟ کیا
تمام راستہ میں نخل و کھوپ کے پانداز ڈالے گئے؟ کیا دو کروڑ کا ہر بندھا ہوا یہ سب ہوا
لیکن یہ کوئی چیز نہ تھی، اکبر جو دنیا کا اس وقت سب سے بڑا شہنشاہ تھا، اور شاہزادہ سلیم جو آگے
چل کر جہانگیر ہوا، اور جو شاہزادگی میں بھی شاہنشاہوں کے برابر تھا، دہلی کے محافظ کو کھارنگہ
اپنے کندھوں پر لائے، کیا ہندوؤں میں کسی راجہ ہمارا جہ نے اپنی بہو کو یہ عزت دی؟ کیا خود
اکبر نے شہزادیان تیمور کے لئے یہ ننگ گوارا کیا؟

اکبر و جہانگیر و شاہجہاں وغیرہ کے احسانات صرف سوشل احسانات نہ تھے، پوسٹل احسانات
اس سے بھی زیادہ تھے، اور سچ یہ ہے کہ کسی قوم نے اپنی مفتوح قوم کو یہ عزت، یہ حقوق، یہ دھرم کبھی
نہیں دیا، آج کلکڑی اور کمٹری کے عہدے ہندوستانیوں کے لئے نہتے خیال ہیں لیکن
تیموریوں نے وزارت اعظم اور سپہ سالاری تک ہندوؤں کو عنایت کی،

(معارف نمبر ۱ جلد ۱)

۱۹۱۶ء

ماہ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ مطابق جولائی

لے ماثر الامار جلد دوم ص ۱۱۴

پر مجنون خاں
نامہ و پیغام کر کے
لے دیا، جب اکبر نے
بیان کئے، اکبر
ر تخت نشینی کے

بیس طرف رخ
طرف جھکا، چم
ماہے اختیار

فی اس لئے
ارامل نے بہاروں
س معلوم ہوا اور
ار میں اکبر نے اسکو
درخواست کی
ن میں دخل ہوئی

معمولی راجہ تھا
راہنہ

لیڈرن کا قصوبہ

یا

لیڈرن بنانے والوں کا

ہمیں یہ صاف نظر آ رہا ہے کہ ہندوستان کی اسلامی دنیا میں لیڈروں کی طرف سے ایک عام بغاوت کی ہو چل گئی ہے، لیکن ہم کو نہایت غور اور احتیاط سے دیکھنا چاہئے کہ جس طرح چالیں برس سے ہم اپنے لیڈروں کی کورانہ غیر معتدل غلامی کرتے رہے، اسی طرح اس بغاوت میں بھی ہم امتدال کی حد سے متجاوز تو نہیں ہو گئے ہیں، اور یہ کہ آزادی تقریر میں ہماری تیز نگاہ کا نشانہ غلط تو نہیں قائم ہو گیا ہو،

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ لوگ جو بڑے بڑے بلند خطاب رکھتے ہیں، جو بڑی بڑی جائیدادوں کے مالک ہیں، جن کو اپنے ذاتی معاملات کی وجہ سے ہر وقت حکام کی خوشنودی کی نبض دیکھتے رہنے کی ضرورت پڑتی ہو، وہ قوم کے لیڈر نہیں ہو سکتے، وہ کسی طرح آزادانہ رائے نہیں دے سکتے ان کی جو پوزیشن ہے وہ جس کو چاہل ہو جائیگی، اوس کو بھی وہی کرنا پڑے گا جو وہ کر رہے ہیں، بلکہ مجھ کو شبہ ہے، کہ جو لوگ ان لیڈروں پر معترض ہیں، اگر وہ بھی ان ہی مجوریوں میں گرفتار ہو جائیں، تو وہ ان موجودہ لیڈروں کے برابر بھی آزادی سے کام نہ لے سکیں گے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ لیڈروں کا کیا تصور ہے؟ کیا انھوں نے خود لیڈر بننے کی خواہش کی؟ کیا انھوں نے اپنا نام پیش کیا؟ کیا وہ اس کے لئے کوئی کوشش کرتے ہیں؟ میں نے خود دیکھا کہ سر آغا خاں صاحب نے نہایت سچے اور بے ریا دل سے لیگ کی پریسیڈنٹی سے استعفا دیدیا اور اس پر سخت مصر ہوئے لیکن لوگوں نے نہ مانا، اور ان کو اس قدر مجبور کیا کہ ایسی حالت میں انکار کرنا انسانیت کی حد سے گزر جاتا تھا، میں اس وقت موجود تھا جب نواب صاحب ڈھاکہ عام مجمع کے سامنے کہہ رہے تھے کہ لیگ کے جلسہ میں یہ میری اخیر شرکت ہے، اور نو نو کے نفوس سارباں گونج تھیں اس سے انکار نہیں ہو سکتا، کہ ایسے بھی لیڈر ہیں جو لیڈری کے خواستگار ہیں، اور جو اس کے لئے کسی قسم کی کوشش سے دریغ نہیں کرتے، لیکن یہ انصاف کی بات نہیں، کہ ان کی وجہ سے ناکردہ گناہ بھی الزام میں شریک کر لئے جائیں حقیقت یہ ہے کہ محسن اور لیڈر دو جدا گانہ منصب ہیں اور ان دونوں کی حیثیت صاف صاف الگ کر لینی چاہئیں، مثلاً سر آغا خاں نے یونیورسٹی کے معلم میں وہ کام کیا جو آج تک سات کروڑ مسلمانوں سے نہ ہو سکا، اور غالباً کبھی نہ ہو سکتا، انھوں نے قومی انسٹی ٹیوشن پر فیاضی کا مینہ برسادیا، اسی بنا پر وہ ہمارے محسن ہیں اور ہیکو انکا احسان ماننا چاہئے قومی مجالس میں ان کی فیاضیوں اور کوششوں کا ترانا گانا چاہئے، قومی تاریخ میں ان کا نام سب سے اوپر لکھنا چاہئے لیکن وہ ہمارے پولیٹیکل لیڈر نہیں ہیں ان کی عمر کا تمام حصہ پولیٹیکل زندگی سے الگ گزرا ہے، ان کو پولیٹیکل لٹریچر کے دیکھنے کا بہت کم موقع ملا ہے، انھوں نے اس فن کا مطالعہ نہیں کیا ہے، اس کے ساتھ ان کے تعلقات اور معاملات آزادی کی اجازت نہیں دے سکتے اس لئے ہم کو ان کا وہ منصب قرار دینا چاہئے جو امریکہ میں راک فیلر اور کارنگی کا ہے کہ تمام امریکہ انکی قومی فیاضیوں کا غلام ہے تاہم کوئی شخص انکو لیڈر کے خطاب سے مخاطب نہیں کر سکتا، لیڈری کے لئے وہ شخص درکار ہے، جو سٹرگو کھلے کی طرح خطاب، جائداد، دولت اور

رفت سے ایک
نہ کہ جس طرح
اس بنیاد
ہماری تیز رفتاری

ریڑی
خوشنودی
آزادانہ
ناکار پارٹیکل
ان ہی
سیکس گئے

تمام تعلقات سے آزاد ہو، پر جوش اور دلیرو اس کے ساتھ پائیکس کا ماہر ہو، اور پولیٹیکل لٹریچر کا موقف
مطالعہ کر چکا ہو، اگر قوم میں ایسے شخص ہو جو وہ نہیں ہیں، تو لیڈری کے تخت کو اور بھی چند روز خالی رکھنا
اور واقعی تخت نشین کا انتظار کرنا چاہئے، سچ اور بالکل سچ یہ ہے، کہ لیڈروں کا نہیں بلکہ لیڈر بنائے
والوں کا قصور ہے، اس لئے کہ وہ پہلے ایک شاہنشاہی قائم کرتے ہیں تاکہ اس کے سایہ میں
اور چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم ہو سکیں، جنہیں سے کوئی حکومت ان کے بھی زیر نگیں آجائے، اسلئے
ہمکولیڈروں سے نہیں بلکہ لیڈر گروں سے بچنا چاہئے،

(۸) اپریل ۱۹۱۲ء - مسلم گزٹ - لکھنؤ



مسئلہ آرمینیا

آرمینیا کے متعلق اگرچہ معلومات کے ذریعے جو موجود ہیں وہی انگریزی اخبارات ہیں، جنہوں نے اور جن کی قوم نے ترکوں کے برباد کرنے کا گویا احرام باندھ لیا ہے، تاہم یہ عجیب بات ہے کہ ان جھوٹے ظلموں میں بھی سچ کے آثار صاف صاف نظر آتے ہیں، ریوٹر کے تاروں کے باہمی تناقض اور بے سروپائی نے خود بتا دیا کہ ان میں جھوٹ کا کس قدر حصہ ہے؟ انگریزی اخبارات کی طرزِ تحریر سے خود ثابت ہو گیا، کہ ان کا اصلی مقصود کیا ہے؟

تاہم نہایت مفید ہو گا اگر ہم یہ پتہ لگائیں کہ آرمینیا کے مسئلہ کے متعلق دوسری قوتوں کے کیا خیالات اور کیا معلومات ہیں؟ بیروت کے مشہور اخبارات الفنون نے اس پر ایک بسیط آرٹیکل لکھا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ فرانس جرمنی وغیرہ کے تمام اخبارات اس مسئلہ میں انگریزوں کے برخلاف ہیں، وہ علانیہ لکھتے ہیں کہ ان تمام ہنگاموں میں آرمینیوں ہی کی شرارت ہے، اور انگریزوں نے جو اون کی حمایت کا بیڑا اٹھا دیا ہے، یہ فقط ایک خود غرضانہ حکمت عملی ہے، اخبار مذکور نے بہت سے اخباروں کو نام بنام گنایا ہے، مثلاً دیبا، سبائل، کورسپونڈنس، دولست، اندینڈانس، ملخ، نائیہ فریاد، پارٹید نیلاٹ، گاؤ، دیہ فرنچ وجر من اخباریں لیکن تلفظ کے نہ معلوم ہونے سے نام کی صحت نہیں ہو سکتی ہے۔ اخبار مذکور نے فرانس کے نہایت مشہور اخبار اپتی ژورنال کے ایک آرٹیکل کا ترجمہ چھاپا ہے۔

لکھنے کا وقت
خالی رکھنا
یڈر بنانے
سیاہ میں
تے، اسلئے

(و)

چنانچہ اس موقع پر ہم اوس کا خلافت تسل کرتے ہیں، وہ لکھتا ہے کہ
 ”ہم نے کچھ دن پہلے جو لکھا تھا، وہ سچ نکلا کہ دنیا کا امن و امان بڑکی حکومت کے قائم رہنے
 پر موقوف ہے، اور یہ کہ انگلستان بڑکی کے انتظامات میں جس قسم کی مداخلت کر رہا ہے، وہ
 عام امن و امان کو ضرر پہنچانے والا ہے،“

موجودہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ آرمینیوں کے ہنگامے کی تحریک درحقیقت خود
 انگلستان نے کی، بلکہ بڑکی میں جو خود سرجماعت پیدا ہو گئی ہو وہ انگلستان ہی کے اخوا کی
 وجہ سے ہوئی ہے، انگلستان چند روز تک اس معاملہ میں چپ رہا لیکن یہ سکوت بھی دھکی کا ثبوت
 تھا، لیکن جب اس نے ہر سکوت توڑی تو بجائے اس کے کہ امن کی طرف اس کا میلان
 ہو، اس نے اور زیادہ برہمی پیدا کی، چنانچہ فارن سکریٹری نے اپنی اسپیچ میں کہا کہ بیرونی معاملہ
 پر خطر ہیں،

اس کے بعد لارڈ سالسبری نے گلڈ ہال میں اسپیچ دی، جس میں بہت کچھ مد معانہ خیالات
 اور تناقص بیانات تھے، تاہم چونکہ لارڈ موصوف کو یہ معلوم ہے کہ تمام اسلامی دنیا اور
 خود ہندوستان میں سلطان ام کو مسلمان کس نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس لئے اون کی تقریر
 میں نرمی اور چالپوسی کا پہلو بھی تھا،

اس معاملہ میں جو سلطنتیں انگلستان کے پیچھے پیچھے چل رہی ہیں وہ اٹلی اور آسٹریا ہیں
 جن کو موہوم امیدوں نے ان کا رروائی پر آمادہ کیا ہے، یہ ظاہر ہے کہ جرمنی جو جوہات مختلف
 اس جھگڑے سے بالکل الگ ہے، اور سلطنت روس و فرانس نے سچے دل سے سلطان کی
 دوستی کا اظہار کیا ہے، فرانس اس بات کو ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتا رہا ہے، کہ اصلاح
 اور فارم کے بہانے سے بڑکی کے معاملات میں دست اندازی کی جائے گی“

اس موقع پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ٹرکس گورنمنٹ نے آرمینیوں کے ساتھ جو رفا
ملفوظ رکھی ہیں ان کا مختصر سا تذکرہ کیا جائے جس سے معلوم ہو گا کہ انگریزی اخبارات نے
آرمینیوں کی مظلومیت کی جو تصویر کھینچی ہے وہ کہاں تک صحیح ہے؟

مصر کے مشہور اخبار الموبد نے ایک بسیط آرٹیکل اس عنوان سے لکھا ہے (دولت عالیہ
کے احسانات آرمینیوں پر) چنانچہ اس کا خلاصہ ذیل میں درج ہے،

”خاص قسطنطنیہ میں آرمینیوں کے ۲۹ گرجے، ۱۵ ابتدائی مدرسے، ۵ اسکول، اور
ایک صنعت کا مدرسہ ہے جس میں ۲۲۵ لڑکے تعلیم پاتے ہیں، لڑکیوں کی تعلیم کے جدا مدرسے ہیں
جن میں تین تین ہزار لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں،

اس کے سوا خاص سلطانی مدارس میں کثرت سے ارمنی داخل ہیں یہاں تک کہ بعض
کالجوں میں زیادہ تعداد ارمنین طالب علموں کی ہے،

محلہ یدی قویٰ میں ان کا ایک خاص ہسپتال ہے جس میں سلطان کی طرف سے روزانہ
دھائی من روٹی اور ہفتہ وار گوشت مقرر ہے، اسی طرح ان کے یتیم خانہ کے لئے خاص
سلطان کی طرف سے اسی قدر گوشت اور تین روزانہ مقرر ہے، ان کی تعلیم کی ترقی کیلئے
چار سو سائیاں قسطنطنیہ میں قائم ہیں جن میں سے ایک جو سب سے بڑی ہے، سلطان
کے انعامات سے ہمیشہ بہرہ یاب رہی ہے، اس سو سائے کے ماتحت تمام ٹرکس حکومت میں
۳۵ عام اسکول اور دس زنانہ اسکول قائم ہیں جن میں ۵ ہزار لڑکے اور لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں،

ان سب سے بڑھ کر یہ کہ سرشتہ تعلیم کی طرف سے ہمیشہ جو طالب علم یورپ کے مختلف
شہروں میں تعلیم پانے کی غرض سے بھیجے جاتے ہیں، ان میں اکثر ارمن لڑکے ہیں جن کا خرچ
سرشتہ تعلیم یا سلطان کی جیب خاص سے ملتا ہے،

کے قائم رہے
ہاں، وہ

ت خود
لے خواہی
دھکی کا ہو
امیلان
رونی سلا

بخیالات
نیا اور
کی تقریر

ٹریا ہیں
ت مختلف
طمان کی
سلاح

ترکی حکومت کے مختلف مقامات میں جو انجمنیں، کتب خانہ، علمی سوسائٹی قائم ہیں
عموماً سب کو سلطان کی طرف سے مدد ملتی ہے،

ترکی نے آرمینیوں کے فساد روکنے اور انگلستان کے بیجا دباؤ کے مقابلہ کے
لئے جو تیاریاں کیں اس کا مفصل حال اگرچہ اس وجہ سے نہیں معلوم ہو سکتا کہ ترکی اخبارات
پولیکل معاملات کے متعلق کچھ لکھنے کے مجاز نہیں ہیں، تاہم چھوٹی چھوٹی لوکل خبروں سے
جس قدر مفہوم ہوتا ہے یہ ہے کہ ۵ لاکھ فوج ہر قسم کے سامان سے لیس ہو کر تیار ہو گئی
جنہیں سے ڈھائی لاکھ دارالسلطنت میں مقیم ہے، اور باقی مختلف مقامات میں روانہ
ہو چکی ہے اور جہاں جہاں قلعہ اور مدینے تھے سب جگہ کثرت سے آلات جنگ
بھیج دیئے گئے ہیں،

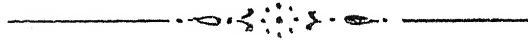
آرمینیا کے اضلاع میں امن و امان قائم ہو جاتا ہے اور ارمنی اپنی حرکات سے
ہو کر سرکاری حکام کے پاس حاضر ہوتے جاتے ہیں،

”چوں مرزن“ جہاں بہت بڑا فساد ہوا تھا وہاں کے تمام ارمنی، رتائرخ
ماہ تشریں کو جوق کے جوق جمع ہوئے اور فوجی افسروں کے پاس حاضر ہو کر باوازی بند
پیکارے کہ ”بادشاہ ہم چوق نشان د یعنی ہمارا بادشاہ ہمیشہ زندہ رہے، چنانچہ
اسی وقت ترکی فوج جو موقع پر موجود تھی، فوجی قاعدہ سے صفت آرا ہوئی،
اور آرمینیوں نے اون کے سامنے حلقے باندھے، ثابت پاشا نے وسط میں کھڑے
ہو کر ایک پر اثر تقریر کی، اس وقت سب نے مل کر ”بادشاہ ہم چوق نشان“
کا نعرہ بلند کیا، اس کے بعد مسلمان رعایا اور آرمینیوں نے اپنے اپنے غول
سے دوسرے دار انتخاب کئے، دونوں سرداروں نے نہایت دوستانہ طریقہ پر

بڑھکر ایک دوسرے کا شانہ چوما اور صلح و محبت کا اعلان عام دیدیا گیا،
اس طرح اور مقامات میں بھی امن و امان قائم ہوتا جاتا ہے افسوس
ہے کہ انگریزی اخبارات ان واقعات پر پردہ ڈالتے ہیں، اور سچ کو ظاہر ہونے
نہیں دیتے،

آزاد۔ لکھنؤ

۲۱ فروری ۱۸۹۶ء



م ہیں

ست کے
کی اخبارات

سے
رہو گئی

روانہ
جنگ

نام

سیخ

والہند

نچ

رئی،

کھڑے

پیشا

نول

میر پر

(مسترق)

اضلاعِ سیدی کا مختصر دور

مولوی غلام محمد صاحب شملوی وکیل ندوہ پشاور میں متقاعد ندوہ کی اشاعت کے لئے گئے تھے، وہاں کے لوگوں نے خواہش کی کہ خاکسار اور مولانا شاہ سلیمان صاحب کی زبان سے یہ مقاصد زیادہ دلنشین ہوں گے، اس تحریک پر ۲۲ مارچ ۱۹۰۹ء کو ہم لوگ لکھنؤ سے روانہ ہوئے اور ۲۴ مارچ کی صبح کو پشاور پہنچے، اگرچہ ٹرین وہاں کچھ رات رہے پہنچتی ہی، تاہم اکثر معززین اسٹیشن پر موجود تھے جن میں حاجی کریم بخش صاحب ٹیٹی تاجر عظیم اور مسٹر عبدالعزیز ایم اے اسسٹنٹ ریونیو کمشنر وغیرہ حضرات بھی تھے،

حاجی کریم بخش صاحب بہت بڑے تاجریں اور حیرت یہ ہے کہ دولت مند ہونے کے ساتھ عالم بھی ہیں، گویا مسلمانوں میں بھی علم اور دولت کا ساتھ ہو سکتا ہو، ہم لوگ ان ہی کے ہمان ہوئے، اور انہوں نے جس محبت اور فیاضی سے میزبانی کی ان کے شایانِ شان تھا، نواب سر کرنل اسلم خاں صاحب کے سی، آئی، ای، اور صاحبزادہ عبدالقیوم صاحب سی، آئی، ای کے یہاں دعوتیں ہوئیں، محمد ن کلک کے ممبروں نے ڈنر دیا، ان سب صحبتوں میں ندوہ کے تذکرے رہے، خصوصاً ڈنر کے بعد جب نواب اسلم خاں صاحب نے میرے شکریہ کی تحریک کی، تو میں نے جواب میں ندوہ کے متعلق مفصل تقریر کی، اس ڈنر میں سرحد کے بعض بہت بڑے بڑے سردار شریک تھے،

حسن اتفاق یہ کہ ان ہی دنوں میں وہاں کے چیف کمشنر نے جو یہاں کے لفٹننٹ گورنر کے ہمتی ہیں بڑا دربار کیا تھا، جس میں سرحد کے تمام رؤسا اور خوانین شریک ہوئے تھے ان کے ساتھ گارڈن پارٹی بھی تھی، جس میں ہم لوگ بھی مدعو کئے گئے تھے،

چیف کمشنر صاحب سے میں مکان پر بھی ملا، ان کی ملاقات کا ڈھنگ تمام ہندوستان کے حکام انگریزی سے الگ ہے، ملاقاتوں کے لئے ایک خاص کمرہ ہے جس میں پرنکلف کرسیاں، کوچیں، میز وغیرہ ہیں، جو شخص آتا ہے، پہلے وہاں بٹھایا جاتا ہے، اور اس کے سامنے چائے، حقہ، سگریٹ، سوڈا، لینڈ پیش کیا جاتا ہے، لوگ خوب حقے اڑتے ہیں چائے پیتے ہیں، اور باہم گلچن کرتے ہیں، نماز کا وقت آجائے اور کوئی نماز پڑھنی چاہے تو وضو کے لئے پانی اور جانا نماز بھی موجود رہتی ہے، چیف کمشنر صاحب نہایت خوش اخلاق ہیں، ملاقات کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں، پہلے ہوئے دروازہ تک پہنچاتے ہیں، رخصت ہونے کے وقت کہا کہ ”خدا آپ کو دیر تک زندہ اور سلامت رکھے“ اور غالباً یہ فقرہ سب کے لئے مبذول ہوا۔
مچھن کلب ہال میں وعظ اور لکچروں کے متعدد جلسے ہوئے اور نہایت کثرت سے لوگوں کا مجمع ہوتا تھا، وداعی جلسہ میں، میں نے صرف ندوہ کے مقاصد پر تقریر کی، اور لوگوں پر خاص اثر ہوا، تقریر کے بعد لوگوں نے خواہش ظاہر کی، کہ یہاں بھی معین الدوہ یعنی ندوہ کی مؤید ایک انجمن قائم کی جائے، چنانچہ بزرگان ذیل نے خود اپنے نام پیش کئے،

جناب سردار میر عالم خان صاحب اکسٹرا سسٹنٹ پشاور
جناب میر جمیل احمد صاحب ناظر چیف کمشنر صاحب صوبہ سرحد
جناب میاں عبدالعزیز صاحب اکسٹرا سسٹنٹ کمشنر پشاور،
جناب راجہ سراج الدین صاحب تحصیلدار،
بریسٹنٹ
سکریٹری
ممبر
”

کے لئے
لی زبان سے
روانہ ہو
زین نشین
ٹاریو نو

مربونے
لوگن ہائی
ن تھا
احب سی
ر میں
بے شکریہ
عد کے بعض

جناب میاں عنوان الدین صاحب ٹی پیئر ٹنڈنٹ پولیس پشاور،

جناب محمد عظیم خاں صاحب اسسٹنٹ سرجن پشاور،

جناب قاضی محمد اکبر جان صاحب جاگیر دار پشاور،

جناب محمد اکرم خاں صاحب بی اے، چار سدھ ضلع پشاور،

جناب بی بی خاں صاحب نائب تحصیلدار،

جناب مولوی محمد سعید صاحب اسسٹنٹ انجینئر پشاور،

جناب میرزا غلام صدیقی صاحب سپرنٹنڈنٹ ہیونیو کسٹمر صاحب بہادر صوبہ سرحدی،

جناب محمد عظیم خاں صاحب تحصیلدار ایسٹ آباد، ضلع ہزارہ،

جناب میاں محمد قسیم خاں صاحب ٹھیکہ دار پشاور،

جناب میاں بدر الدین صاحب ہیڈ کلرک فزرویو کسٹمر صاحب،

جناب میاں وسیع الدین صاحب آرکیو لایکل سٹری پرسل اسسٹنٹ جناب سپرنٹنڈنٹ صاحب،

جناب مفتی محمد شریف صاحب سب کپڑ پولیس صدر تھانہ پشاور،

جناب بابو نور محمد صاحب ٹرینری اسسٹنٹ چھاؤنی،

جناب مفتی محمد حسین صاحب ناظر محکمہ جوڈیشل کسٹمر صاحب بہادر صوبہ سرحدی،

اگرچہ پشاور کے بزرگوں نے پہلے ہی مولوی غلام محمد صاحب شملوی کے جانے کے وقت

ندوہ کے لئے چندہ کی ایک رقم فراہم کر کے بھیج دی تھی، تاہم منیر جمیل احمد صاحب نے چاہا کہ

کہ ندوہ کے سالانہ اجلاس میں قرار پایا ہے کہ دارالافتاء دیوبند دنگ، کا ایک ایک کدہ ایک

شہر مسلمانوں کی طرف سے بنوایا جائے اور اس کمرہ کی پیشانی پر اس شہر کا نام کدہ کیا جائے

اس تجویز کے موافق پشاور کی طرف سے بھی ایک کمرہ بنوایا جائے، چنانچہ اسکی کارروائی

شروع ہوگی اور امید ہے کہ عنقریب ایک ہزار کی رقم میا ہو جائے، اس رقم میں سے سو روپے ہمارے پاس چاک کے ذریعہ سے ابھی گئے ہیں، جو میاں محمد تقسیم صاحب نے غنایت فرمائے ہیں، پشاور میں جن بزرگوں نے ندوہ کیساتھ نہایت ہمدردی اور سرگرمی ظاہر کی، ان میں میر محمد احمد صاحب، میاں عبدالعزیز صاحب، ڈاکٹر عظیم الدین صاحب، شیخ غلام محمد صاحب، سید انیس پٹر کا نام خصوصیت کے ساتھ لینے کے قابل ہے، ہمارے میزبان حاجی کریم بخش صاحب کو خدا نے اس قدر قدرت دی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اکیلے ندوہ کا دارالافتاء بنا سکتے ہیں لیکن وہ اس لئے ندوہ سے کسی قدر کشیدہ ہیں کہ ندوہ میں انگریزی کیوں پڑھائی جاتی ہو، تاہم انہوں نے دس روپیہ ماہانہ ندوہ کے لئے مقرر کیا ہے، رخصت کے وقت مجھ کو سو روپے اور مولوی شملوی صاحب کو بیس روپے رخصتہ دیئے، ہم لوگوں نے بہت کہا کہ ہم لوگ رخصتہ اور نذرانہ نہیں لیتے لیکن انہوں نے سخت اصرار کیا، بالآخر ہم نے وہ رقم لے کر ندوہ میں داخل کر دی، جن اتفاق یہ کہ ہمارے عزیز دوست خواجہ سجاد حسین صاحب بی دفتر زبدمولانا حالی صوبہ سرحدی کے افسر تعلیمات ہیں انہوں نے پچاس روپے میری دعوت خشتک کی مدین پیش کئے، میاں عبدالرشید صاحب نے بھی پچاس روپے دعوت کے دیئے یہ سب تمیں ندوہ میں بھیج دی گئیں،

پشاور، کابل کا گویا خاکہ ہے، اکثر لوگ بلند بالا، تونڈ، سرخ و سفید، اور قوی الجثہ ہوتے ہیں، لیکن افسوس یہ ہے کہ شہر میں مختلف پارٹیاں ہیں اور باہم اتحاد نہیں، ایک اسلامیہ اسکول ہے جس کے اسٹاف میں ایک بھی گریجویٹ نہیں ہیں ہندوؤں کا اسکول ہے جو نہایت اعلیٰ درجہ کا اسکول ہے، اسلامیہ اسکول کے متعلق عمارت چھین ہار پیسے پر گروہی، حالانکہ عمارت کئی لاکھ کی ہے، بہر حال اس قصبہ دراز ست بہ پایاں کہ رساند پشاور سے شاہ سلیمان صاحب حیدر آباد چلے گئے اور میں راولپنڈی آیا، یہاں

میر

"

"

"

"

"

"

"

"

"

"

"

"

"

"

"

نے کے وقت

نے چاہا کہ جیسا

ایکے ہا ایکٹ

ندہ کیا جائے

کی کارروائی

بھی ایک اعلیٰ اسکول ہے اور بہت پشاور کے اچھی حالت میں ہے اس کے ہال میں کئی
 ذرہ کے مقاصد پر لکچر دیا، خواص و عوام ہر قسم کے لوگ نہایت کثرت سے تھے، جلسہ کا اہتمام
 قاضی سراج الدین صاحب بیرسٹر سیٹھ آدم جی صاحب مشہور تاجر، شیخ فضل الہی صاحب
 اور عبدالحمید خاں صاحب بیرسٹر کی طرف سے تھا، ذرہ سے لوگوں نے نہایت پسندیدہ ظاہر کی، میں نے
 یہاں سے بھی ایک کمرہ بننے کی تحریک کی تھی، اور لوگوں نے نہایت خوشی سے منظور کی، مگر
 الذرہ بھی قائم ہوئی لیکن ابھی تک ممبروں کے نام میرے پاس نہیں آئے،

میں راولپنڈی ہی میں تھا کہ مولوی محمد اشرف صاحب کیل کوہاٹ یہاں آئے اور
 کہا کہ مسلمانان کوہاٹ نے مجھ کو آپ کے بلانے کے لیے بھیجا ہے، میں مولوی غلام محمد صاحب
 شملوی کے ساتھ اپریل ۱۹۴۷ء کو صبح کے وقت کوہاٹ پہنچا، اسٹیشن پر تمام اکابر کوہاٹ تشریف لائے
 تھے، یہاں کے لوگ جس جوش اور محبت کے ساتھ ہم لوگوں سے ملتے تھے، میں اس کا اثر
 اب تک دل میں پاتا ہوں، یہ مشہور بات ہے کہ عیود ہمیشہ باہم پیشہ دشمن، لیکن بھلا
 اور مقامات کے یہاں کے علماء اور قضاہ ہمارے ساتھ اس گرجوشتی کے ساتھ پیش آئے
 کہ برادرانہ محبت کا لطف آتا تھا، اسلامی حکومت کے زمانے میں جو عہدے تھے ان میں سے
 بعض کے نام باقی رہ گئے ہیں، اور بعضوں کا تو نام بھی نہیں رہا مثلاً محتسب کا عہدہ جسکو
 ہندوستان میں عالمگیر نے زندہ کیا تھا، لیکن یہاں ایک خاندانی محتسب صاحب بھی
 ہیں، اور اسی نام سے پکارے جاتے ہیں، ان کو اس عہدے کے معاوضہ میں جو زمین ملی
 تھی، اب تک ان کے قبضہ میں ہے، حکام انگریزی نے بھی ان کا یہ لقب قائم رکھا ہوا
 ان کے پاس چمڑے کا ایک درہ خاندانی میراث میں چلا آتا ہے، لیکن ان کو بلکہ خود ہم کو
 بھی اس بات کا افسوس ہے کہ غریب درہ کو اپنی خدمت کے انجام دینے کی اجازت

نہیں، کپڑے کا ایک غلات ہے جس میں وہ اپنی افسردہ زندگی بسر کر رہا ہے، محاسب جہاں کو اپنے عہدہ کے لحاظ سے جابر اور ندم مزاج ہونا چاہئے تھا، لیکن وہ اس قدر ننگس المزاج ہیں کہ اتنا ننگسار تو میں بھی نہیں پسند کرتا،

اس شہر میں ایک اسلامی انجمن ہے جس کے سکریٹری خان بہادر سید سکندر شاہ صاحب ایک معزز خاندانی رئیس ہیں، سسٹنٹ سکریٹری مولوی سید اشرف صاحب کیل ہیں، اور سچ یہ ہے کہ کوہاٹ میں جو کچھ قومی زندگی ہے ان ہی کے دم سے ہے،

سید سکندر شاہ صاحب کے اہتمام سے پچھرا کا جلسہ منعقد ہوا، پہلے دن مولوی غلام صاحب شملوی نے تقریر کی، اور گویا کوہاٹ کو مسخر کر لیا، دوسرے دن زیادہ اہتمام ہوا اور کئی کئی میل سے لوگ آئے شاید کوہاٹ میں آج تک اس جمعیت اور افتادہ کار کا کوئی جلسہ نہ ہوا ہوگا، میں نے اسلام کی جامعیت اور ندوہ کے مقاصد پر تقریر کی، اکثر ہندو اور آریہ صاحب بھی تشریف لائے تھے، وداعی جلسہ انجمن کے ہال میں منعقد ہوا، جس میں میں نے معین الندوہ کے قائم کرنے کی تحریک کی، انجمن کے تمام ارکان نے جن کی تعداد اکاؤن تھی ہماری قبول کی، اسی وقت لوگوں نے ماہوار چندے بھی لکھوائے، جسکی تعداد سینتالیس روپے ماہوار ہے (اس کی تفصیل آئندہ چھپے گی)، ماہوار ہی چندے اگرچہ کم وصول ہوتے ہیں، لیکن بزرگان کوہاٹ کی نسبت اس قسم کی بدگمانی نہیں کی جاسکتی،

کوہاٹ کے لوگ نہایت سادہ، نیک دل، عقیدت کیش، اور فداے اسلام تھے، لیکن تعلیم نہیں ہے، نہ کوئی ایسا مقتدا ہے، جو ان کو ٹھیک راستہ پر چلائے چند رسمیں ان میں جاری ہیں جن کے مصارف ان کو پامال کئے ڈالتے ہیں، لیکن وہ

ہال میں ہیں
جلسہ کا اہتمام
لٹی صاحب
ماہری ہیں
ظہور کی ہیں

آئے اور
م محمد صاحب
نشریف لائے
اس کا اثر
لیکن جلا
پیش آئے
تھے ان میں
کا عہدہ جسکو
صاحب بھی
عوزین ملی
م رکھا ہو
ہر خود ہم کو
نے کی اجازت

اس کے پنجہ سے چھوٹ نہیں سکتے،

رخصت کرنے کے وقت تمام بزرگان کو ہاٹ اسٹیشن پر تشریف لائے، اور نہایت

جوش اور محبت کے ساتھ ہم کو رخصت کیا،

بزرگان کو ہاٹ نے بھی ایک کمرہ کی تعمیر کا ذمہ لیا، اور اُس کی پہلی قسط ایک سو سا

روپے نقد عنایت کی، اس میں ڈاکٹر عبدالقادر صاحب سو روپے دینا منظور کیا،

(الذوہ نمبر ۳ جلد ۶)

ربیع الاول ۱۳۲۶ھ مطابق اپریل ۱۹۰۹ء



ہندو نظام کی چالیسویں سالگرہ

اور

اراکینِ مدۃ العیام کا تہنیت نامہ

ریاست حیدر آباد دکن کو علی فیضی کے لحاظ سے ہندوستان کی تمام اسلامی ریاستوں میں جو خصوصیت حاصل ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں، کون نہیں جانتا کہ آج ہندوستان کے علی گڑھ کا ماواؤ بجا، سرپرست، قدردان دکن کا دہرا حکومت حیدر آباد ہے، ہندوستان کی تمام علی انجمنیں، قدیم و جدید علوم کے مدرسے اسی مبارک ریاست کی فیاضیوں کے منون ہیں، اس بنا پر یہ کہنا مبالغہ نہیں بلکہ واقعہ ہے کہ سلطنتِ آصفیہ خلد با اللہ تعالیٰ کی علم برداری سے ہندوستان کا علی حصہ نشوونما پا رہا ہے،

وابستگانِ دولتِ آصفیہ کے لئے سال بھر میں وہ موقعِ بید مسرت کا باعث ہوتا ہے جب حکمرانِ ریاست اپنی زندگی کا ایک سال پورا کرتا ہے، اور خیر و برکت کے ساتھ دوسرے سال میں قدم رکھتا ہے، اس موقع پر وہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اپنی دلی عقیدت مندی کو ظاہر کریں، اور ریاست کے احسانات کا شکریہ ادا کریں، چنانچہ اس سال وہ مسرت خیز موقع ماہِ شوال میں انتالیسویں مرتبہ جلوہ افروز ہوا، اور (۱۷) سے (۲۳) شوال تک جشنِ سالگرہ قرار پایا۔

اور نہایت

ایک سو سا
با،

۱۹۰۹ء

ندوة العلماء اس موقع پر اظہارِ مسرت و عقیدت کے شرف سے کیونکر محروم رہتا؟
اس کا بڑا کارنامہ دارالعلوم ہے جس نے ابھی ذہنی صورت بھی اختیار نہیں کی تھی، کہ اسی ریت
کی علم پروری نے اپنی فیاضی کے سنگِ ولین سے اس کی بنیاد رکھی اس بنا پر اراکینِ ندوة العلماء نے
اپنی دلی عقیدت مندی کو ایک تہنیت نامہ کی صورت میں پیش کرنا چاہا، یہ طے پا چکا تھا کہ
اراکین کا ایک منتخب وفد حیدرآباد میں حاضر ہو کے بالمشافہ حضور میں پیش کرے، اسی غرض سے
خط و کتابت کی گئی، لیکن پرائیویٹ سرکار عالی مدارالمہام کی مندرجہ ذیل چھٹی نے اس رے
میں تبدیلی کر دی،

پولیسکل سکرٹری گورنمنٹ نظام.

مراسلہ دفتر پرائیویٹ سکرٹری ہماراجہ بہادر پشکار مدارالمہام سرکار عالی واقع ۲۵ دسمبر ۱۹۲۲ء
۲۰ آذر ۱۳۴۱ھ

نشان

۵۳۴۴

حسبِ حکم عالی جناب سر ہماراجہ بہادر یمن السلطنت مدارالمہام سرکار عالی
پولیسکل سکرٹری گورنمنٹ نظام و

منجانب فریدونجی جمشید جی اسکورسی۔ آئی، ای، پرائیویٹ سکرٹری مدارالمہام سرکار عالی
مقدمہ ملفوفہ

بخدمت مہتمم صاحب دفتر ندوة العلماء بتمام لکھنؤ.

بجواب مراسلہ نشان مورخہ ۱۷ شعبان ۱۳۴۳ھ ہجری بمکاش ہے کہ عالی جناب مدارالمہام
ارشاد فرماتے ہیں کہ ندوة العلماء کی جانب سے بتقریب شبن چہل سالہ سالگرہ مبارک ستمہ مستفید

سے کوئی وفد بھیجے کی زحمت گوارا نہ فرمائی جائے، اگر مجلس موصوفہ سے صرف تہنیت نامہ
بھیج دیا جائے تو کافی ہوگا، جو خوشی تمام بارگاہ خسروی میں گزران دیا جائیگا، فقط

محمد غوث

پرنسپل اسٹنٹ

اس بنا پر اراکین ندوۃ العلماء نے تعمیل ارشاد اپنا فرض سمجھ کر تہنیت نامہ مدارالماہم بہادر
کی خدمت میں روانہ کر دیا، تاکہ جشن چہل سالہ کے موقع پر حضور میں پیش کر دیا جائے،
تہنیت نامہ مجنبہ فرج ذیل ہے،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

بہ حضور لامع النور بندگان عالی متعالی رستم دوراں، افلاطون زماں، فناک بارگاہ
منظر الممالک فتح جنگ نہر تہنیت نواب میر محبوب علی خاں بہادر نظام الملک آصف جاہ
سلطان دکن خلد اللہ ملکہ

سپاس ایزداد اگر کہ دیر نہ آرزو ہمارا روزگارانی رسید، تمنا را اہنگامہ گرم شادیش و خرمی
بر خود بالید نشاط و طرب را روز بازار آمد یعنی آوازہ جشن چہل سالہ بندگان عالی چہاں
و جہانیاں را سامعہ نواز، و مایہ صد گونہ بہجت و اہتر از آمد،

و چوں نباشد، کہ عہد محدث مہر شہریار می نہ ہمین ممالک محروسہ آصفیہ را بہ ترقی ہائے دراز
و کامرانی ہائے گوناگون نواختہ است، بلکہ در وسعت آباد ہند، سیج جائے و نا چھتے نیست کہ از تاب آفتاب
فیض ایں دولت فروغانی نگشتہ باشد،

رہنمایان طریقت و پیشروان شرع و نکتہ بنیان سخن و طاعت گزاران مساجد، ہمہ رایش کرامت
کرم صفی بنوے کامرولے مطالب مقاصد گراں دیدہ است کہ اگر ہر بن موئے ایشان در اولے سپاس

م رہتا ہے
اسی ریت
۵۱ العلما
کا تھا کہ
سی غرض
اس لئے

۱۹۰
نور

لی

۱
بیمہ

زیائے گرد و باز ہم ز عمدہ این کار بدرتوان آمد،

دیرہ، انجمن "ندوۃ العلما" را کہ برپا کردہ انفا س قدسیہ پیشروانِ طریقت و جادہ
شناسانِ شریعت ست از آغاز کار طوقِ منت دولت ہایوں در گردن ست و زمزمہ پاسکزار
و منت طرازی غلغلہ نواز بنم و انجمن،

اکنون کہ تقریبِ جشن چیل سالہ ہندگانِ شہر یاری عالم و عالمیاں را مرثدہ نواز آمد
مارکان و اعضاے این جملہ انجمن بہ کمالِ اخلاص و نیاز و نہایتِ مسرت و ابہتاج، مراسم
تبریک و تہنیت را از تہ جان بجائے آریم، و بمقتضای من لم یشکر المناس لم یشکر اللہ
ادائے این فریضہ را از جملہ واجباتِ دینی می انگاریم و از جہیم قلب خواستگاریم کہ
تا جہاں باشد و این گنبد گردانِ شہ
دہر فرماں بر محبوبِ علی خاں باشد

(الندوہ، نمبر ۱۱ جلد ۲)

ماہ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۰۶ء

مولانا حالی کی ذرہ نوائی

خاکسار کے پاؤں کے زخمی ہونے پر بعض بزرگوں اور دوستوں نے رباعیاں لکھ کر بھیجیں
سید سلیمان اسٹنٹ اڈیٹر الندوہ نے ان میں سے بعض پچھلے پرچے میں چھاپے میں، انکو دکھکر ہمارے مخدوم
مولانا حالی نے منبر الندوہ کو ایک خط لکھا جو بعینہ درج ہے،

» رسالہ الندوہ میں مولانا شبلی کے اجاب کی رباعیات دیکھ کر مجھے بھی یہ خیال ہوا کہ ان کے
زمرہ اجاب میں ہونے کا فخر حاصل کروں لہذا ذیل کے چار مصرعے موزوں کر کے آپ کی خدمت میں
بھیجتا ہوں، الندوہ کے کسی آئندہ نمبر میں ان کو بھی درج فرما دیجئے گا،

شبلی کہ گزندِ پاش پر دل شکن ست با خستگش خجنگی مقترن ست

چنداں کہ بکا ہند منزا نیندا نجا کار استن چمن زیر استن ست

خاکسار الطاف حسین حالی،

از پانی پت ۶ اکتوبر ۱۹۰۷ء

مولانا کا میری نسبت ایسے خیالات ظاہر کرنا محض انکی ذرہ نوازی ہو وہ میرے اجاب میں شامل
ہونے کا تنگ گوارا فرماتے ہیں لیکن میری عزت یہ ہے کہ ٹھکرا اپنے نیاز مندوں کے زمرہ میں شامل
ہونے کی اجازت دیں، اب چند ہی ایسی صورتیں باقی رہ گئی ہیں، جن کو دیکھ کر قدما کی یاد تازہ
ہو جاتی ہے، خدا ان بزرگوں کا سایہ قائم رکھے، آمین،

(الندوہ جلد ۴ نمبر ۱۱) ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۰۷ء

طریقت و جاوہ
ت و زمرہ پاسکاز

سارا مژدہ نواز آمد
و ابہتاج، مراسم
س لہذا بشکرا
نگاریم کہ

۱۹۰۷
تا ماہ جنوری

ملے نواب محسن الملک مرحوم

آج ہماری قدیم تعلیم و تربیت کی ایک اور یادگار مٹ گئی، جدید تعلیم ایک مدت سے جاری ہے، اور آج سینکڑوں ہزاروں تعلیم یافتہ بڑے بڑے خدمات پر متنازع ہیں، لیکن قومی علم ابھی تک ان ہی لوگوں کے ہاتھ میں ہے جنہوں نے کاجوں کے الوافوں میں نہیں، بلکہ مکتب کی چٹائیوں پر تعلیم پائی تھی، جدید تعلیم بھی ان ہی کی بدولت پھیلی اور آج خود جدید تعلیم یافتہ گروہ ان ہی کے اشاروں پر حرکت کر رہا ہے۔

لوگوں کو ڈرتھا کہ سرسید مرحوم کے بعد ان کے منصوبوں کو کون انجام دیکھا؟ لیکن خدا ان ہی کے ہمنشینوں میں سے ایک ایسا شخص (نواب محسن الملک) پیدا کر دیا، جو اور امور میں گو سرسید کا ہمسر نہ تھا لیکن کالج کی ترقی و وسعت اور مقبول عام بنانے میں سرسید سے کسی طرح کم نہیں پر نہ تھا، اس نے تھوڑی مدت میں سات آٹھ لاکھ روپیہ جمع کر دیا، کالج کی ہر شاخ اس قدر ترقی کر گئی کہ اگر کوئی شخص جس نے سرسید مرحوم کی زندگی میں کالج کو دیکھا تھا آج جا کر دیکھے تو کالج کو پہچاننا مشکل ہوگا، کانفرنس جو روز بروز بڑھ رہی ہوتی جاتی تھی، نواب محسن الملک مرحوم نے اسکو دوبارہ زندہ کیا، اور لاہور سے ڈھاکہ تک اس کے ڈانڈے ملا دیے،

مرحوم ذاتی صفات کے لحاظ سے بھی نادر و روزگار تھے، اس درجہ اس عورت پرستی پر ان کے اخلاق کا یہ حال تھا کہ ادنیٰ درجہ کے آدمیوں سے بہادری و عزت ملتے تھے ملاقات میں

ہمیشہ پیشقدمی کرتے تھے، سب جھک کر ملتے تھے اس سے ساتھ نہایت فراخ حوصلہ دنیا
سخی اور جو ادتھے، اور یہی اوصاف تھے جن کی وجہ سے انھوں نے عالم کو سخر کر لیا تھا
تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی وہ شاہیر کے ہمسرے تھے، ان کا ایک خاص اثر پڑھا
جو ان ہی کے ساتھ مخصوص تھا، قوتِ تقریر میں بھی وہ نہایت ممتاز تھے،

ظاہری صورت و شان سے بھی خدائے انکو کافی حصہ دیا تھا، ان کے چہرے سے شائستگی
نکلتی تھی، اور گو وہ سید تھے لیکن آماتاری استخوان کا دھوکا ہوتا تھا،

آخر عمر میں ان کو کالج کے لڑکوں کی شورش کا بہت صدمہ ہوا، کہتے تھے کہ میں اس
رنج سے گھلا جاتا ہوں اور واقع میں میں نے ان کو جب شملہ جاتے ہوئے دیکھا تو ان کی
صورت دیکھ کر گھبرا گیا، کہ اب یہ آفتاب لبِ بام آپہنچا،

محسن الملک! جا، اور خوش خوش خدائے سایہ رحمت میں آرام کر، تو دردِ بھرا دل
رکھتا تھا، لوگ بھی تیرے لئے روئیں گے اور بہت روئیں گے،
دردِ روزگار عشق تو، ماہمِ فدا شدیم افسوس کہ قبیلہ مجنوں کے نہما



(الذوہ نمبر ۹ جلد ۴)

(رمضان ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۶ء)

ایک مدت سے
زہیں لیکن تو ہی علم
نہیں بلکہ کہیں کی
بہیمانہ گروہ ان

م دیگا لیکن خدا
جو اور امور میں گو
یہ سے کسی طرح کم تر
ر شاخ اس قدر ترقی
ج جا کر دیکھے تو
بسن الملک محرم

جس اس عورت پر
تھے ملاقات میں

Checked
1987



۲۳۲۷۲	داخل نمبر
۲۰۲۷	فن نمبر
۶۳۶۹	کتاب نمبر

یونی
تحت شا
فہرست
تاریخ ترتیب
علوم القرآن
تجارت القرآن
قرآن مجید
تفہیم و تدریس
یورپ قرآن
مسائل فقہیہ
وقف اولاد
پردہ اور اس
الاس
مسائل
ہو کر کیونکر
غیر قومن

سلسلہ مقالات شبلی

یعنی مولانا شبلی کے مقالات کے مجموعے جو مذہبی، ادبی، تعلیمی، تنقیدی، تاریخی، اور فلسفیانہ عنوانات کے تحت شائع ہوئے ہیں،

فہرست مضامین جلد اول (مذہبی)	خلافت، حقوق الذمیین،	تحفہ اللہ (ہندی صنائع و بدائع) جسم ۱۰۴ صفحے، قیمت: ۱۲/-
تاریخ ترتیب قرآن، علوم القرآن، عجاز قرآن،	انجریہ، اخلافت اور مساجد،	فہرست مضامین جلد دوم (تعلیمی) مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم، مدرسے اور دارالعلوم،
قرآن مجید میں خدا نے قیاس کیوں رکھیں، تفسیر و قدر اور قرآن مجید، پورے قرآن مجید کے عظیم صحت ہونے کا ثبوت، مسائل فقہیہ پر زمانہ کی ضرورتوں کا اثر، وقت اولاد،	فہرست مضامین جلد دوم (ادبی) عربی زبان، فن بلاغت، نظم القرآن و جہرۃ البلاغۃ، شعر العربیہ،	قدیم تعلیم، ملائم نظام الدین بانی درس نظامیہ، درس نظامیہ، ندوہ اور نصاب تعلیم، فن خوبی مرد و عورت،
پردہ اور اسلام، الاسلام، مسلمانوں کو غیر مذہب حکومت کا حکم، ہو کر کیونکر رہنا چاہیے، غیر قوموں کی مشابہت،	عربی اور فارسی شاعری کا موازنہ، سر سید مرحوم اور اردو و لٹریچر، الما اور صحتہ الفاظ، اردو ہندی، بھاشا زبان اور مسلمان،	تعلیم قدیم و جدید، مشرقی کانفرنس، ریاست حیدرآباد کی مشرقی یونیورسٹی، ایشیا، علوم اور ریڈیکل، جسم ۸، صفحے، قیمت: ۸/-

فہرست مضامین جلد چہارم (تنقیدی)	جسم ۱۹۰ صفحہ، قیمت: - غیر	ہندو بھائیوں کی ناسپاسی،
طبقات ابن سعد،	فہرست مضامین جلد پنجم (سوانح)	مکینکس اور مسلمان،
منقب عربین عبدالعزیز،	حضرت اسماعیل،	جسم ۲۴۰ صفحہ، قیمت: - غیر
بلغات النساء،	المعتزلہ والاعتزال،	فہرست مضامین جلد ششم (فلسفیانہ)
عمر خیام کا جبر و مقابلہ،	ابن رشد،	فلسفہ یونان اور اسلام،
تجارب لائم ابن مسکویہ،	علامہ ابن تیمیہ حرانی،	یونانی منطق کی غلطیاں،
نعت فرس،	متنبی،	یونانی منطق کی غلطیاں،
افضل فی السیاسۃ والنقل ابن حزم،	موبدان بن جوس،	اجرام فلکی،
تفسیر کبیر امام رازی،	زیب النساء،	فلسفہ اسلام اور فلسفہ قدیم و جدید،
کتاب الکافی فی الکحل،	مولوی غلام علی آزاد بلگرامی،	علوم جدیدہ،
ہمایوں نامہ،	فرید و جدی بک، جسم ۱۱۳ صفحہ قیمت: - غیر	جذب یا کشش،
ماثر رحیمی،	فہرست مضامین جلد ششم (تاریخی)	مسئلہ ارتقا اور دارون،
تزک جہانگیری،	تراجم،	ڈاکٹر یٹن اور تاریخ فلسفہ اسلام،
النظر فی السفر فی المومنین،	کتب خانہ اسکندریہ،	فلسفہ اور فارسی شاعری،
تلیق الاخبار،	اسلامی کتب خانے،	حقائق انبیاء اور معشوق حقیقی،
تدریس اسلام جرجی زیدان،	اسلامی حکومتیں اور شفا خانے،	مذہبہ المسلمین کا اجلاس سالانہ،
مؤرخہ مذہب و سائنس،	ہندستان میں اسلامی حکومت تدریس کا اثر،	اور علی نمائش گاہ،
ہومر کے ایڈ کا عربی ترجمہ،	مسلمانوں کی علمی بے تخصیص اور ہمارے	جسم ۱۰۰ صفحہ، قیمت ۱۲/-
منہج دار المصنفین عظیم گدہ		
(طابع و ناشر محمد علی و بیس و آدنی)		